www.urducouncil.nic.in

جولائی 2018، قیمت :-/₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 6 شمارہ: 7 جولائی 2018

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی -110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ /100روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی -110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد -500002

فون: 040-24415194

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی بات	ڈاک خانہ		05
مضامین	باہمت ننھی پھدکی	شمس الاسلام فاروقی	06
	لیزر سرجری	احرار حسین	09
	ٹیلی گرام کیوں ضروری ہے	شعیب عالم قاسمی	14
نظمیں	اتحاد	جاوید مجیدی	16
	ہوم ورک	ابرار اعظمی	17
	کتب خانہ	ستار فیضی	17
کھیل اور کھلاڑی	عالمی کپ فٹ بال 2018	سید پرویز قیصر	18
مضمون	چھوٹے لوگ، بڑے کارنامے	حمید ادیبی ناندوری	22
کہانیاں	ایک تھی بڑھیا	مرزا حامد بیگ	26
	چڑیا کی مالا	رؤف صادق	28
نظمیں	چاند تاروں میں جاکے رہنا ہے	قیوم اثر	31
	میرا طوطا	حنا شاہم	32
	مور	ساحر داؤد نگری	32
کہانی	ننھا ہلو	فرزانہ اسلم	33
نظم	بیٹی باپ سے التجا کرتے ہوئے	ندا تحریم	35
کہانی	گیدڑ کی موت	عبدالمتین جامی	36
باتصویر کہانی	طوطا کہانی	محسن خان	38
قسط وار ناول	زمین کی تہہ میں	شکیل صدیقی	43
کہکشاں	آئس کریم کی کہانی	سلمیٰ یوسف حسین	51
	چمن چمن کے پھول		52
	صبر کا پھل	محمد سفیان غفار شیخ	53
	اقوال زریں	سیدہ اریبہ نایاب سید منیر الدین	53
	مشہور عمارتیں	قریشی ابوعامر حسن	54
	مفید معلومات	امتیاز احمد الائی	55
	ڈارون	محسن رضا	56
ننھے فنکار	احسان کا بدلہ	بر مشا شیخ رئیس	58
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! جولائی کا شمارہ حاضر ہے۔ جس وقت یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا آپ سب عید سعید منا چکے ہوں گے۔ ساتھ ہی آپ کی کلاسز بھی شروع ہو چکی ہوں گی۔ آپ کو پتہ ہے کہ جولائی میں موسم تبدیل ہونے لگتا ہے اور سخت گرمی کے بعد بارش کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس سال آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ پچھلے سال کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی گرمی رہی اور اس سال بہت سے علاقوں میں طوفان بھی آئے اور جانی و مالی نقصان بھی ہوا۔ خاص کر اتر پردیش، راجستھان، بہار کی ریاستیں زیادہ متاثر رہیں۔ کچھ اور علاقے بھی اس کی زد میں آئے ہوں گے، اس طرح کے طوفان سے انسانی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ بہت کے گھروں سے چراغ بجھ

جاتے ہیں اور بہت سے گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے، یہ بہت بڑا انسانی المیہ ہے اور اس کی وجہ دراصل وہ ماحولیاتی تبدیلی ہے جس کے بارے میں ہم قطعی غور وفکر نہیں کرتے۔ آپ میں سے بہتوں کو پتہ ہوگا کہ ماحولیاتی تبدیلی کا کتنا منفی اثر ہماری زندگی پر پڑ رہا ہے اور اسی کی وجہ سے ہمارے ملک کا ایک چوتھائی زمینی حصہ ریگستان بنتا جا رہا ہے اور وقت پر بارش نہ ہونے کی وجہ سے مزید طوفان کا خطرہ بھی بڑھ گیا ہے۔ تازہ ترین تحقیق کے مطابق دنیا کا سب سے بڑا ریگستان صحارا کے رقبے میں پچھلے سو برسوں میں تقریباً دس فیصد کا اضافہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح دیگر ریگستان بھی بڑھتے جا رہے ہیں اور یقیناً یہ خطرے کی گھنٹی ہے۔ اگر ہم وقت پر بیدار نہیں ہوئے تو ہمارے لیے آئندہ اور بھی مشکلیں بڑھ سکتی ہیں۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ماحولیات کے تئیں بیداری کا ہے۔ اگر ہم نے ماحولیات پر کنٹرول کر لیا تو ہم طوفان اور تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ آیئے ہم سب عہد کریں کہ ہم ماحولیات کے تعلق سے ہر علاقے میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور ماحولیات کے تحفظ کے لیے جو بھی کوشش ہو سکتی ہے وہ کرتے رہیں گے۔ اسی طرح ہم انسانی زندگی اور معاشرے کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ ایک صحت مند ماحول پیدا کر سکتے ہیں اور مستقبل کی نسل کو صحت مند زندگی دے سکتے ہیں۔

'بچوں کی دنیا' آج صرف ہندوستان نہیں بلکہ بیرون ممالک میں بھی بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آغاز سے یہ آپ سب کا پسندیدہ رسالہ رہا ہے۔ ہم آپ کی محبت اور خلوص کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید ہے کہ آئندہ بھی خلوص کا یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ ہاں ایک بات جو بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے قلمکار بچوں کی ذہنی سطح کا خیال نہیں رکھتے جس کی وجہ سے بچوں کو مضامین کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے، اس لیے گذارش ہے کہ بچوں کے لیے تحریریں یا تخلیقات بھیجتے وقت بچوں کی نفسیات اور سطح کا ضرور خیال رکھیں۔ ایسے الفاظ اور اصطلاحات سے گریز کریں جو بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہوں۔

'بچوں کی دنیا' کے اس شمارے میں پرلطف کہانیوں، معلوماتی مضامین اور دلچسپ نظموں کے ساتھ عالمی کپ فٹ بال 2018 پر ایک خصوصی مضمون بھی شامل کیا جا رہا ہے جو یقیناً آپ سب کو پسند آئے گا۔ اب آپ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کریں اور اس شمارے پر اپنی رائے ارسال کرنا نہ بھولیں۔ فیس بک، کہکشاں، ننھے فنکار، ننھے قلمکار، بچوں کے خصوصی کالم ہیں۔ اس کے لیے آپ اپنی تحریریں بھیج سکتے ہیں کیونکہ 'بچوں کی دنیا' کا مقصد آپ کی تحریری اور ذہنی تربیت بھی ہے۔ آپ کی تحریریں 'بچوں کی دنیا' کے صفحات پر شائع کرتے ہوئے ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

میں اردو معلم کی حیثیت سے گورنمنٹ اردو ہائی اسکول تالمڈگی تعلقہ ہمنا آباد، ضلع بیدر کرناٹک میں خدمات انجام دے رہا ہوں۔ آپ کے موقر ماہنامے 'بچوں کی دنیا' اور 'اردو دنیا' کا مطالعہ کرتا ہوں، یہی نہیں بلکہ 'بچوں کی دنیا' رسالے میں شائع ہونے والے مستقل کالم جیسے 'آپس کی باتیں' مضامین، نظمیں، کہانیاں، کہکشاں، ہنسی کے غبارے وغیرہ طلبہ کو سناتا ہوں اور طلبا خود بھی اس رسالے کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے کرتے ہیں اور اس سے ان کی زندگی میں تبدیلی، اچھے اخلاق اور اچھی عادتیں آرہی ہیں، اور ان کا معیارِ زندگی بھی بدل رہا ہے۔ ہم معلم اور متعلمین مدیر صاحب اوران کے اسٹاف کا شکریہ ادا کرتے ہیں، بالخصوص مدیر صاحب جو 'آپس کی باتیں' عنوان کے تحت اپنے دوستوں کو اپنی شیریں گفتگو سے جو معلومات فراہم کررہے ہیں وہ خوب ہے ہی، اس سے بھی زیادہ خوب وہ شیریں نصیحتیں ہیں جو وہ اپنے دوستوں کو محبت بھرے انداز میں کرتے ہیں۔

ایک اور بات میں یہاں بتانا چاہتا ہوں، میں نے طلبا کو 2015 میں ان کے اچھے کام کی وجہ سے انھیں انعام کے طور پر 'بچوں کی دنیا' پیش کیا تھا جو آج تک ان کے مکان پر بذریعہ پوسٹ پہنچ رہا ہے اور وہ اس سے معلومات حاصل کررہے ہیں اور اکثر فون کے ذریعے مجھے بتاتے ہیں کہ 'سر یہ کہانی اچھی لگی یا

پھر اس مہینے کا یہ رسالہ اچھا رہا وغیرہ۔

اس بار بھی میں اپنی چند طالبات تبسم ناز فاطمہ، صبا ناز فاطمہ، مرزا نیہا ناز فاطمہ اور نسرین ناز فاطمہ (عرف نشو بیٹا)، یہ طالبات نہ صرف پڑھنے لکھنے میں خوب ہیں بلکہ سمجھدار بھی ہیں۔ ان کی ان خوبیوں کی وجہ سے میں انھیں 'بچوں کی دنیا' انعام کے طور پر پیش کررہا ہوں۔

درزی عبدالمجید، نزد جامع مسجد، پوسٹ منا اکھیلی، ضلع بیدر، کرناٹک

'بچوں کی دنیا' مارچ کا شمارہ پڑھا، رسالہ بہت خوب ہے، کہانیاں کم اور مضامین زیادہ ہوجاتے ہیں۔ جناب مناظر عاشق ہرگانوی کی نظم بہت اچھی ہے۔ ان کی تمام تخلیقات قابل مطالعہ رہتی ہیں۔ بانو سرتاج کا لاسلکی والا مقالہ بہت معلوماتی ہے۔

انصار احمد معروفی، مئو، اتر پردیش

'بچوں کی دنیا' مارچ 2018 کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ اس میں تھائرائیڈ کے تعلق سے معلومات پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں بچوں کی دنیا کا پرانا خریدار ہوں اور تھائرائیڈ کا مریض بھی ہوں، پر اب تک اس طرح کی معلومات نہیں ہوسکی تھی۔ آپ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ یہ رسالہ مقبولیت کی اتنی اونچائی پر ہے اور جس کی وجہ سے بچوں میں اردو سے مزید لگاؤ ہورہا ہے۔ ساتھ ساتھ معلومات میں اضافہ بھی ہورہا ہے۔

عبدالحسیب، مولانا آزاد اردو ہائی اسکول، تعلقہ برنا پور، ضلع جالنہ، مہاراشٹر

شمس الاسلام فاروقی

باہمت ننھی پھدکی

ایک بڑا جنگل تھا، خوب ہرا ابھرا اور گھنا۔ اس جنگل میں طرح طرح کے درخت، جھاڑیاں اور بیلیں تھیں۔ اور اس میں چھوٹے بڑے بے شمار قسم کے جانور ہنسی خوشی رہتے تھے۔ یہاں ایک طرف بھاری بھرکم ہاتھیوں کے جھنڈ آزادی سے گھومتے نظر آتے تھے تو دوسری طرف ہرنوں کے غول قلانچیں بھرتے پھرتے تھے۔ یہاں خوفناک شیرا ور چیتے تھے تو بھالوؤں، جنگلی بھینسوں، نیل گایوں اور بندروں کی بھی بھرمار تھی۔ جنگل کے درختوں اور جھاڑیوں میں قسم قسم کے رنگ برنگے پرندے بھی رہتے تھے۔ اِن ہی میں ایک بانس کے درخت کی باہری شاخ پر ننھی کالی چڑیا پھدکی نے بھی اپنا گھونسلہ بنایا تھا۔ وہ وہاں اپنے تین منے منے بچوں اور چڑے کے ساتھ رہتی تھی۔ بچے ابھی بہت چھوٹے تھے انھیں اڑنا نہیں آتا تھا۔ ننھی پھدکی اور چڑا باری باری اڑ کر جاتے اور چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے اپنے منہ میں دبا کر لاتے جن سے وہ اپنے بچوں کا پیٹ بھرتے۔ ان کی زندگی ہنسی خوشی خوب مزے سے گزر رہی تھی۔

ایک دن ایک شکاری اپنی جیپ میں شکار کرنے اُدھر آنکلا۔ اس جنگل کے سب جانور بہت سمجھدار تھے۔ وہ فوراً ہی محفوظ جگہوں پر جا کر چھپ گئے۔ ساتھ ہی انھوں نے شکاری کے آنے کی خبر اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی دے دی۔ شکاری بہت دیر تک شکار کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا مگر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تھک ہار کر اس نے واپسی کا ارادہ کیا۔ جاتے جاتے اس نے اپنے ہاتھ میں دبی چلتی ہوئی سگریٹ جیپ کی کھڑکی سے باہر پھینکی اور چل دیا۔ اتفاق کی بات کہ وہ سگریٹ سوکھی ہوئی گھاس کے ایک ڈھیر پر جا گری۔ سوکھی ہوئی گھاس آہستہ آہستہ سلگنے لگی اور تھوڑی ہی دیر بعد آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے پاس ہی بانسوں کا ایک جھنڈ تھا۔ آگ نے بڑھ کر اسے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب کیا تھا آگ کی لپٹیں

نکلنے لگی۔ یہ جگہ ننھی پھدکی کے گھونسلے سے زیادہ دور نہیں تھی۔ ڈر تھا کہ اگر یہ آگ یوں ہی بڑھتی رہی تو دور دور تک پھیل جائے گی اور پھدکی کا گھونسلہ بھی اس کی لپیٹ میں آجائے گا۔

جنگل میں لگی اس آگ کو جب بڑے بڑے جانوروں نے دیکھا تو وہ ڈر گئے۔ انھیں معلوم تھا کہ جنگل میں لگنے والی آگ کیسی بھیانک ہوتی ہے۔ وہ چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور بڑے بڑے جانوروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ہاتھیوں کا سردار بہت عقل مند اور تجربہ کار تھا اس نے سب جانوروں کو مشورہ دیا کہ وہ آگ پھیلنے سے پہلے اس علاقے کو چھوڑ دیں۔ قریب ہی ایک لمبی چوڑی جھیل تھی۔ اس نے کہا کہ اگر سب جانور جھیل کے پار چلے جائیں تو آگ سے محفوظ ہوجائیں گے کیونکہ آگ جھیل کے پار نہیں جاسکے گی۔ سب جانورو ں کو یہ مشورہ پسند آیا اور وہ جھیل کی طرف چل پڑے۔ ہاتھیوں کا سردار اپنے جھنڈ کو ساتھ لیے سب سے آگے آگے تھا۔ ہرن، نیل گائیں، جنگلی بھینس، خرگوش، بندر اور دوسرے جانور ان کے پیچھے چل رہے تھے۔

چلتے چلتے ہاتھیوں کے سردار نے دیکھا کہ ننھی پھدکی اور اس کا چڑا جھیل کی طرف سے اڑتے ہوئے اُدھر چلے جارہے ہیں، جدھر آگ لگی ہوئی ہے۔ اُسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے سوچا یہ بے چارے کھانے کی تلاش میں اُدھر گئے ہوں اور اب واپس جارہے ہیں۔ شاید انھیں معلوم نہیں کہ اس طرف آگ لگی ہوئی ہے اور ان کا اُدھر جانا خطرے سے خالی نہیں۔ یہی سوچ کر وہ زور سے چلایا:

"ننھی پھدکی رک جاؤ تم کدھر جارہی ہو۔ اُدھر تو آگ لگی ہوئی ہے۔ اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈالو۔ واپس آؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔ ہم سب جھیل کے اس پار جارہے ہیں۔ آگ وہاں تک نہیں جاسکے گی۔"

چڑے چڑیا نے ہاتھیوں کے سردار کی بات سنی مگر کچھ بولے نہیں اور تیزی سے اسی طرف اڑتے رہے جدھر آگ لگی ہوئی تھی۔ ہاتھیوں کے سردار کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی اور وہ پھدکی اور چڑے کی نا سمجھی پر افسوس کرنے لگا۔ اس نے سوچا یہ دونوں بہت نادان ہیں۔ آگ انھیں ذرا سی دیر میں جلا کر راکھ کر ڈالے گی۔

بڑے جانوروں کا یہ قافلہ ابھی جھیل سے دور ہی تھا کہ ہاتھیوں کے سردار نے دیکھا کہ پھدکی اور اس کا چڑا تیزی سے اڑتے ہوئے اس کی طرف آرہے ہیں۔ اسے یہ دیکھ کر خوشی

ہوئی کہ دونوں نے اس کی بات مان لی تھی اور وہ بھی جھیل کے پار جانے کے لیے اِدھر آ رہے تھے۔ پھدکی پاس آئی تو بولی:

''ہاں دادا ہاتھی اب بتایئے آپ کیا کہہ رہے تھے۔ ہم معافی چاہتے ہیں۔ دراصل ہمارے منہ بند تھے اس لیے آپ سے بات نہ کر سکے۔'' ہاتھیوں کے سردار نے ایک بار پھر اپنی وہ بات دہرائی اور دونوں کو آگ سے بچنے کے لیے جھیل کے پار جانے کا مشورہ دیا۔ اس کی بات سن کر پھدکی بولی:

''دادا بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں جبکہ اس وقت ہم سب کو اسے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔''

''بھلا ہمارے فکر کرنے سے کیا ہوگا۔ کیا ہم اس آگ سے جنگل کو بچا سکتے ہیں۔ یہ آگ تو بڑھتی ہی جائے گی اور جلد ہی ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ ہم تو زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس علاقے کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں یہ آگ نہ پہنچ سکے۔ یہی ایک طریقہ ہے اپنی جانیں بچانے کا۔'' ہاتھیوں کے سردار نے کہا۔

''مگر ہم اس آگ کو بجھانے کی کوشش بھی تو کر سکتے ہیں!'' پھدکی نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' ہاتھیوں کے سردار نے حیرت سے پوچھا۔

پھدکی بولی: ''جیسے ہم کر رہے ہیں۔''

''تم بھلا اس آگ کو بجھانے کے لیے کیا کر رہی ہو؟'' ہاتھیوں کے سردار نے پوچھا۔

''ہم دونوں ابھی جھیل سے اپنی چونچوں میں پانی بھر کر لائے تھے جسے ہم نے آگ پر ڈال دیا اور اب پھر جا رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اگر ہم اسی طرح پانی ڈالتے رہے تو آگ بجھ جائے گی۔''

یہ سن کر ہاتھیوں کا سردار بہت زور سے ہنسا اور بولا:

''بے وقوفو! کیا تم سمجھتے ہو کہ اپنی چھوٹی چھوٹی چونچوں میں پانی کے چند قطروں سے تم اس آگ کو بجھا پاؤ گے۔ یہ تمھاری نا سمجھی ہے۔ یہ آگ یوں ہی بڑھتی چلی جائے گی اور جلد ہی تمھیں بھی جلا ڈالے گی۔''

یہ سن کر پھدکی بولی:

''ہاتھی دادا ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں مگر میں سمجھتی ہوں کہ اگر اپنا گھر بچانے میں میری جان بھی چلی جائے تو کوئی غم نہیں۔ مرنے سے پہلے کم سے کم میرے دل کو یہ اطمینان تو ہوگا کہ میں نے اپنے گھر کو بچانے کے لیے اپنی بھر کوشش کی تھی۔ میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ اللہ کی مرضی تھی۔

پھدکی کی بات سنی تو ہاتھیوں کا سردار شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا اتنی چھوٹی سی چڑیا اور اس کی یہ ہمت اور میں اتنا لمبا چوڑا جانور لیکن اتنا کم ہمت۔ اس نے فوراً ہی اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس نے اپنے جھنڈ کے سب ہاتھیوں کو بلایا اور کہا کہ ہم جھیل کے پار نہیں جائیں گے بلکہ جھیل سے اپنی سونڈوں میں پانی بھریں گے اور جنگل کی اس آگ کو بجھائیں گے۔ سب نے یہ ہی کیا۔ جب بہت سے ہاتھیوں نے مل کر آگ پر ڈھیروں پانی ڈالا تو آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

سب جانور بہت خوش ہوئے اور انھوں نے چین کی سانس لی۔ انھوں نے ننھی پھدکی کا شکریہ ادا کیا جس نے ان کی ہمت بڑھائی تھی اور اپنا گھر بچانے کا راستہ دکھایا تھا۔

■

Shamsul Islam Farooqui
90-B/1, Ahata Talib, Noor Nagar
New Delhi - 110025

احرار حسین

لیزر سرجری

میڈیکل سائنس کے میدان میں روشنی اور ریڈیو تھراپی کا استعمال علاج کے لیے ہوتا رہا ہے۔ طبعی سائنس میں لیزر سرجری کا آغاز 1864 سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا بنیادی نظریہ البرٹ آئن اسٹائن نے 1917 میں پیش کیا تھا لیکن 1917 سے 1960 تک کے وقفے میں سائنس دانوں نے لیزر کو اہمیت نہیں دی تھی۔ اسی وجہ سے لیزر پر تحقیقی کام 1960 کے بعد شروع ہوئے۔ دنیا کا پہلا روبی لیزر ٹی۔ ایچ۔ میمن نے 1960 میں بنایا۔ 1959 سے 1961 تک سیمی کنڈکٹر لیزر پر کافی تحقیقی کام ہوا ہے۔ پہلا سیمی کنڈکٹر لیزر 1962 میں تیار ہوا۔

سن فرانسیسکو میں امریکہ سرجنس کی ایک کانفرنس میں 28 اکتوبر 1964 کو ایک اخباری بیان میں لیزر کے بارے میں اس طرح کہا گیا تھا۔

لیزر میں وہ قوت اور صلاحیت موجود ہے کہ وہ اسٹیل کو کاٹ سکتا ہے، کینسر کے خلیات کو تباہ کرسکتا ہے۔ اس لیے لیزر کو کینسر کے اسلحہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

دنیا بھر کے سائنس دانوں نے لیزر کی اہمیت کو محسوس کرلیا تھا۔ اسی وجہ سے نوبل کمیٹی نے لیزر کے تحقیقی کام پر پہلا نوبل انعام 1964 میں بوسو پوکھرو (روس) اور ٹاؤنس (امریکہ) کو بیسک ریسرچ ان دی فیلڈ آف کوانٹم الیکٹرانکس لیڈینگ ٹو دا کریشن آف لیزر پر مشترکہ طور سے دیا تھا۔

لیزر کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً (1) گیس لیزر (2) سالڈ اسٹیٹ لیزر (3) ڈائیوڈ لیزر (4) الیکٹران لیزر۔

حیاتیاتی سائنس اور علم ادویہ میں مندرجہ ذیل قسم کے لیزر استعمال میں آتے ہیں۔

(1) پلسٹر این۔ ڈی لیزر (لہر لمبائی تقریباً 1040 nm)
(2) سی ڈبلو کاربن ڈائی آکسائڈ لیزر (لہر لمبائی تقریباً (10400nm)
(3) ہیلیم نیون لیزر (لہر لمبائی تقریباً 63208 nm)
(4) الٹراوائی لٹ نائٹروجن لیزر (لہر لمبائی تقریباً 133701nm)
(5) ایکس۔ ای لیزر (لہر لمبائی تقریباً 49506, 53303, (59505nm

لیزر کا استعمال آج آپریشن کے ہر شعبے میں کیا جاتا ہے۔ اس لیے لیزر سرجری کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیزر کا

استعمال نہ صرف آپریشن کے لیے اوزار کا کام کرتا ہے بلکہ یہ زخم کو کاٹتا اور اس کو بھرتا ہے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے لیزر کو آپریشن کے شعبے میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ لیزر سرجری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے طریقۂ علاج سے کسی قسم کے سائیڈ افیکٹ نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ آپریشن کے دوران خون بھی ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو نائف اینڈ بلڈ لیس سرجری بھی کہا جاتا ہے۔ اس طریقۂ علاج میں جراحی کے دوران مریض کو بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی مریض کے جسم کے کسی حصے کو چھونے باندھنے اور پکڑنے کی حاجت درکار ہوتی ہے۔ لیزر کی شعاعیں جسم کے اندر انعکاس ہونے کے بعد بآسانی داخل ہوجاتی ہیں۔ موجودہ سرجری میں اندرونی آپریشن کے لیے مریض کے جسم کے مخصوص حصے کو کاٹ کر ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اوپن سرجری کبھی کبھی بہت خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ اس مسئلے کا حل لیزر مائیکرو سرجری سے بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔ لیزر آپریشن تھیٹر اسپتال میں موجودہ تھیٹروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کو ہم تین خاص حصوں میں منقسم کرتے ہیں:

(1) پہلے حصے میں دو این۔ ڈی انحطاتی لیزر ہیں جو تقریباً 1000J طاقت کی شعاعیں دیتے ہیں اور دوسری سی۔ بی۔ ڈبلو کاربن ڈائی آکسائڈ لیزر جس کی حاصل قوت تقریباً 50W ہوتی ہے۔ لیزر شعاعوں کو آئینہ اور عدسہ (لینس) کے ذریعہ لیزر تھیٹر کے دوسرے حصے تک لیا جاتا ہے۔

(2) دوسرے حصے میں لیزر شعاعوں کی جانچ کی جاتی ہے۔ اس حصے کو اسکینگ ڈیوائس کہتے ہیں جن کو رموٹ کنٹرول کے ذریعے قابو میں کیا جاتا ہے۔ این ڈی پلسڈ لیزر ہر تین منٹ بعد چمکتے ہیں۔ ا ن کی تعداد ارتعاش (Frequeancy) کو بڑھانے کے لیے سی۔ ڈبلو کاربن ڈائی آکسائڈ، لیزر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لیزر شعاعوں کو مریض پر (بصری رہنما) آپٹکل گائڈ کے ذریعے ڈالا جاتا ہے۔

(3) لیزر آپریشن تھیٹر کے تیسرے حصے میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو کومنی کیشن کا رابطہ لیزر انجینئر اور لیزر ڈاکٹرس سے کیا جاتا ہے۔ لیزر ڈاکٹر مریض کو لیزر بیم سے ظاہر (ایکسپوز) کرانے کے لیے انجینئر کو ہدایت دیتا ہے۔

لیزر جب کام کے مرحلے میں ہوتا ہے تو اس کا درجہ

حرارت کو قابو میں رکھنے کے لیے ٹھنڈے پانی کا لگاتار استعمال کیا جاتا ہے۔ لیزر کو گرد و غبار سے محفوظ رکھنے کے لیے ویکوام ٹرائپ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لیزر تھیٹر کا دروازہ اور لیزر کا کام کرنا ایک دوسرے سے منسلک ہوتا ہے۔ جب تک دروازہ صحیح طرح سے بند نہیں ہوجاتا، لیزر کام کرنا شروع نہیں کرتا ہے۔

علم طبیعیات کے سائنس دانوں نے لیزر کو ایک ایسا ذریعہ مانا ہے جس میں شعاعوں کی شدت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ پھیلاؤ کی صلاحیت بہت کم ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے لیزر بیم کی بڑھی ہوئی شدت اور قوت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ لیزر بیم کی ان ہی صلاحیتوں کو علم ادویہ اور حیاتیات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا دیکھا گیا ہے کہ لیزر بیم انسان کے جسم کے متوازن خلیات کو نقصان پہنچاسکتی ہے اور ان کو تباہ کرسکتی ہے۔ لیزر سرجری میں اس تکنیک کو کینسر یا رسولی کے خلیات کو ضائع کرنے کے لیے لیزر بیم کا استعمال مناسب سمجھا جاتا ہے۔

1967 میں خون پر لیزر کا اثر جاننے کے لیے تحقیقی کام کیے گئے تھے۔ خون کے نمونے کی جانچ جب مائکرو اسکوپ سے کی گئی تو آر۔ بی۔ سی کی بدلی ہوئی شکل نظر آئی اور ان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ بھی پائے گئے۔ جو کہ انسانی نشوونما کے لیے بے حد نقصان دہ ہیں لیکن ڈبلو۔ بی۔ سی۔ پر لیزر بیم کا کوئی مضر اثر نہیں پایا گیا۔ یہاں یہ جاننا مناسب ہوگا کہ لیزر کا اثر اس کی طویل موج (Wave Length) اور ظاہر کرنے کے وقت پر بھی ہوتا ہے۔ تحقیقی کاموں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ 20-40W کا لیزر جسم پر صرف حرارت پیدا کرسکتا ہے جب کہ اس سے زیادہ طاقت ور لیزر کم وقت میں ہی زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ سائنس دانوں نے درجہ حرارت کے بڑھنے سے انسانی جسم پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کی تحقیق کی ہے۔ اگر جسم کا درجہ حرارت 40°C تک پہنچ جائے تو خلیوں کو باندھنے رکھنے والی قوت ختم ہوجاتی ہے۔ لیکن یہ طاقت کچھ وقفے کے بعد دوبارہ کام کرنا شروع کردیتی ہے۔ جسم کا درجہ حرارت جب 40°C تک پہنچ جاتا ہے تو جسم کے جاندار خلیات ضائع ہوسکتے ہیں اور ان میں موجود پروٹین اپنی شکل بدل لیتا ہے۔ اگر درجہ حرارت 80°C تک پہنچ جائے تو ڈی۔ این۔ اے اپنی خصوصیات بدل لیتی ہے۔ اگر درجہ حرارت 100°C تک پہنچ جائے تو خلیوں میں موجود پانی بھاپ میں منتقل ہوجاتا ہے اور پانی کی کمی کی وجہ سے خلیے ایک دوسرے سے الگ ہونے لگتے ہیں اور وہاں پر سوراخ بن جاتے ہیں۔ یہ ہی تکنیک سرطان (کینسر) جیسے موذی مرض سے بچاؤ/ علاج میں لائی جاتی ہے۔ جب درجہ حرارت 100°C سے زیادہ ہوجاتا ہے تو جسم پر بہت خراب اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ اس لیے زیادہ درجہ حرارت اور زیادہ طاقتور لیزرس کا استعمال علاج کے لیے تجویز نہیں کیا جاتا ہے۔

لیزر رو یپورائی زیشن تکنیک ایل۔ وی۔ ٹی۔ سرجری میں بہت کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ مذکورہ تکنیک کا مخصوص استعمال سرطان یا رسول کے مریضوں پر کیا جاتا ہے۔ لیزر سرجری آج بالخصوص آنکھ، دانت، کان، جگہ، دماغ، نسوانی اعضاء اور چھاتی کی کینسر میں اہم کردار ادا کررہی ہے۔ مندرجہ ذیل میں لیزر کا استعمال مذکورہ شعبوں کے سرجری کے محکمے میں کس طرح سے اور کن کن بیماریوں میں کیا جارہا ہے۔ اس کو مختصراً جاننے کی کوشش کریں۔

لیزر اور امراض چشم

لیزر کا استعمال سب سے زیادہ امراض چشم کے شعبے میں

ہوتا ہے۔اس کے استعمال سے آنکھ کے مریض جن کو (1) شوگر ریٹینو پیتھی (2) روشن آنکھ کے پردے کا غول (3) ریٹینیل انجیو میوسیس (4) موتیا بند (5) آنکھ کا کینسر وغیرہ ہو۔ لیزر مائیکرو سرجری سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ 1964 میں روبی لیزر کا استعمال ڈیٹچ منٹ آف ریٹینا کے مریضوں پر کیا جاتا تھا۔لیزر کا استعمال آنکھ کے سرطان/ رسولی کے مریضوں پر بہت مقبول ہے۔لیزر بیم کے استعمال سے آنکھ کے کینسر سے متاثرہ حصہ کو ضائع کردیا جاتا ہے۔اس طرح آنکھ کے دوسرے حصے کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

آرگن لیزر جس کی قوت MW 100-300 افشا وقت 502-505 سکنڈ کا استعمال شوگر ریٹینو پیتھی کے مریضوں پر کیا جاتا ہے۔ ایلفیبک آنکھوں کے مریضوں کا علاج آرگن فوٹو کو لیٹر قوت 105-504W اور افشا وقت کے 205-502 سیکنڈ کے استعمال سے آنکھ کی پتلی بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ان امراض کے علاوہ موتیابند ریٹینل انجیو میوسیس کا علاج لیزر سے کیا جاچکا ہے۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ لیزر سرجری آنکھ کے امراض میں بہت کارآمد ثابت ہوئی ہے۔

لیزر اور امراض گوش

لیزر مائیکرو سرجری کان کے علاج میں بھی بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ کان کے اندرونی حصے کی سرجری بہت مشکل ہوتی تھی کیونکہ جو آلات آپریشن میں استعمال ہوتے تھے ان کا کان کے اندرونی حصوں تک پہنچنا بہت دشوار ہوا کرتا تھا۔ لیزر مائیکرو سرجری سے اس مشکل کا حل تلاش کیا گیا ہے۔لیزر بیم کو اسٹریو مائیکرو اسکوپ کے ذریعے کان کے اندرونی حصوں کی جراحی ہوتی ہے۔ اس جراحی کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ سرجری کے بعد کان کے اندر کسی بھی قسم کا کوڑا کرٹ (ڈیبرس) یا بون ڈسٹ یا بون چپس وغیرہ نہیں رہ جائے۔ کیونکہ لیزر سرجری میں خون بھی نہیں نکلتا ہے۔اس لیے کان کے اندر کسی کسی بھی قسم کی آلودگی (انفیکشن) نہیں ہوتا ہے۔ این۔ڈی لیزر یا روبی لیزر کی زیادہ تیز شعائیں کان کے اندرونی حصوں اور کھوپڑی کو نقصان پہنچاتی ہیں۔اس لیے آرگن لیزر یا سی۔ ڈبلو کاربن ڈائی آکسائڈ لیزر جن کی قوت SW اور افشا وقت 15-150M Soc تک کا ہی استعمال کرنا مناسب ہوتا ہے۔

آئی۔آر۔ کاربن ڈائی آکسائڈ لیزر کان کے اندرونی حصوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

لیزر اِن آرتھوپیڈک سرجری

لیزر سرجری کی خصوصیات کے مدنظر بون سرجنس اس کا استعمال بون کٹنگ یا بون گرافٹنگ میں کرتے ہیں۔ آسٹومائی لائٹس اور وسکولر بون ٹیومر میں کاربن ڈائی آکسائڈ لیزر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہڈی کے سرطان کے لیے سرجری امید کی کرن ہے۔ تصویر نمبر 13 میں مذکورہ لیزر کو دیکھا جاسکتا ہے۔

لیزر اِن نیورو سرجری دماغ کے سرطان/ رسولی کا آپریشن جراحی میں سب سے مشکل تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایسا دیکھا گیا ہے کہ اکثر اس طرح کے آپریشن میں مریض کی موت واقع ہوجاتی ہے یا اس کے جسم میں برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آج نیورو لیزر سرجری نے کافی ترقی کی ہے۔ لیزر بیم کو دماغ کے کینسر والے حصے کو افشا کراتے ہیں۔ اس سے کینسر کے خلیے تباہ ہوجاتے ہیں اور آس پاس کے نارمل سیلس کو لیزر سرجری سے بچایا جاسکتا ہے۔

لیزر ان لنگس/ برین/ انٹسٹائن کینسر/ پھیپھڑا۔ دماغ اور آنت کے سرطان میں فوٹو ریڈیشن تھراپی (پی۔آر۔ٹی) کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ اس تکنیک میں مریض کو فوٹو سینٹیو کیمیکل انجکشن کے ذریعے جسم میں داخل کر لیتے ہیں۔

لیزر اور امراض جلد

لیزر کا استعمال جلد کے امراض میں بھی کیا جاتا ہے۔ ہیلیم نیون لیزر کو بیل سیل کارسی لونا اور جلد کے سرطان پر استعمال کیا گیا ہے اور امید افزا نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ڈیسکے ریٹوس۔ ہائی پریکٹوس اور ایکین تھوسیس کے مریضوں کا علاج ہیلیم نیون لیزر سے کیا جاتا ہے۔

لیزر سے نقصانات

آج لیزر کے استعمال پر کافی تحقیقی کام ہورہا ہے۔ مستقبل قریب میں شاید میڈیکل سائنس کا کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں ہوگا جس میں لیزر کا استعمال نہ ہو۔ جہاں لیزر انسان کے لیے امید کی کرن ہے وہیں اس کے استعمال سے نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ ایل وی۔ٹی کے استعمال سے خراب خلیوں کو تو ضائع کرتے وقت آس پاس کے طبعی خلیوں کو نقصان پہنچتا ہے جو نہایت تشویشناک بات ہے۔ اس لیے لیزر کا استعمال اس وقت تک مناسب نہ ہوگا جب تک ہمارے پاس مکمل طور سے آراستہ لیزر آپریشن تھیٹر نہ ہوں اور ماہر سرجن اور انجینئر بآسانی دستیاب نہ ہوں۔

■

ماخذ: سائنس شعاعیں، مصنف: ڈاکٹر احرار حسین
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

شعیب عالم قاسمی

ٹیلی گرام کیوں ضروری ہے

عص حاضر سائنس، ٹیکنالوجی اور جدید ذرائع ابلاغ کا دور ہے، جدید ذرائع ابلاغ نے ہر شخص کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کیا ہے، خصوصاً سوشل میڈیا، کہ جس کے استعمال نے لوگوں کو ٹی وی، ریڈیو اور نیوز پیپروں سے بے نیاز کر دیا ہے، فیس بک واٹس ایپ وغیرہ پر اس قدر تیزی سے صارفین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے کہ کوئی گھر بمشکل بچا ہوگا جس میں فیس بک یا واٹس ایپ استعمال نہ کیا جا رہا ہو، بہت سے گھروں کے تمام افراد اس پر مصروف بعمل ہیں۔

آج میں آپ کو اسی قسم کے ایک دوسرے سوشل ایپ کے بارے میں بتا رہا ہوں جس کو ٹیلی گرام Telegram کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ٹیلی گرام کو 2012 میں دو بھائیوں نیکولائی اور پاول دروف نے تیار کیا تھا، ان دونوں بھائیوں نے اس سے قبل 'وی کے' سوشل نیٹ ورک بھی بنایا ہے۔

گو کہ ٹیلی گرام ابھی فیس بک اور واٹس ایپ کی طرح عام نہیں ہے لیکن بڑی تعداد اس کی طرف بھی متوجہ ہو رہی ہے، اور دیگر ایپس کے مقابلے میں اس کا فائدہ زیادہ محسوس کیا جا رہا ہے کیوں کہ دوسرے ایپس کے بالمقابل اس میں کئی مفید فیچر ہیں، آیئے ٹیلی گرام کا واٹس ایپ سے موازنہ کرتے ہیں۔

ٹیلی گرام بمقابلہ واٹس ایپ

1۔ ٹیلی گرام میں ایک اہم فیچر 'چینل' ہے جو واٹس ایپ اور لائن وغیرہ میں نہیں ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ آپ اپنے پیغامات کو لاکھوں لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں صرف ایک کلک کے ساتھ، دوسرا فائدہ گروپ میں جو فضول بکواس ہوتی ہیں ان سے چھٹکارہ مل جاتا ہے کیوں کہ چینل پر صرف ایڈمن ہی کسی بھی تحریر وغیرہ کو ارسال کرنے کا مجاز ہوتا ہے، دوسرے ممبران نہیں، ہاں ایڈمن کسی تحریر پر رابطہ بوٹ کے ذریعہ ممبران کی رائے لے سکتا ہے۔

ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ ٹیلی گرام چینل کے ذریعے بڑی بڑی شخصیات عام لوگوں سے بآسانی رابطہ میں رہ کر اپنا پیغام پہنچا سکتی ہیں، بلکہ پہنچا رہی ہیں۔ عام لوگوں کو بڑی شخصیات کے نہ نمبر کا پتہ چلے گا نہ ہی رابطہ کی کسی اور شکل کا۔ دیگر اہم چینل بھی موجود ہیں جن کے ذریعہ آپ

بیانات، حمد ونعت، اردو عربی مضامین، خبریں، اور تمام اردو عربی کتب جو انٹرنیٹ پر پی ڈی ایف فائل میں موجود ہیں، سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

2۔ ٹیلی گرام میں پبلک اور پرائیویٹ چینل کا آپشن بھی موجود ہے۔ پبلک چینل کو کوئی بھی سرچ کر کے جوائن کر سکتا ہے اور اس کا اپنا ایک خاص نام بھی رکھا جاسکتا ہے۔

3۔ ٹیلی گرام کا ایک فیچر اس کا یوزرنیم ہے، یوزرنیم سے مراد وہ کوڈ ورڈ ہے جو آپ کا لنک اور موبائل نمبر کے متبادل کا کام کرتا ہے، اس کی بدولت آپ اپنا پرسنل نمبر لوگوں سے چھپا کر بھی آزادی کے ساتھ ٹیلی گرام استعمال کر سکتے ہیں جبکہ واٹس ایپ میں یہ سروس موجود نہیں۔

4۔ ٹیلی گرام کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ آپ اس کو ایک ساتھ کئی ڈیوائسز پر چلا سکتے ہیں، ساتھ ہی اپنے کمپیوٹر اور لیپ ٹاپ پر بھی یوز کر سکتے ہیں۔ جبکہ واٹس ایپ کو دوسری ڈیوائس پر چلانے سے پہلا اکاؤنٹ بند ہو جاتا ہے۔

5۔ واٹس ایپ گروپ میں صرف 256 افراد ہی شامل ہو سکتے ہیں ٹیلی گرام آپ کو 20,000 ممبران تک شامل کرنے کی اجازت دیتا ہے جس کو سوپر گروپ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس میں اہم تحریروں کو پن اپ کیا جاسکتا ہے، ساتھ ہی اپنے دوستوں کو مینشن بھی کر سکتے ہیں۔

6۔ ٹیلی گرام صارفین آڈیو ویڈیو اور ٹیکسٹ پیغامات بھیجنے کے ساتھ ساتھ ڈاکومنٹس، زپ فائلز اور پی ڈی ایف فائلز بھی ارسال کر سکتے ہیں

7۔ ٹیلی گرام کثیر تعداد میں اسٹکرز اور جی آئی ایف بھی فراہم کرتا ہے۔ نیز آپ اپنی پسند کے اسٹیکر بھی بنا سکتے ہیں۔

8۔ واٹس ایپ میں آن لائن ہونے کے وقت کو پوشیدہ رکھنے کا فیچر موجود ہے تو ٹیلی گرام میں اور ایک قدم آگے بڑھ کر منتخب لوگوں سے اپنے آن لائن ہونے کا وقت بھی چھپایا جاسکتا ہے۔

ٹیلی گرام کی اور بھی خصوصیات ہیں جو اس کو دوسرے سوشل ایپس سے ممتاز کرتی ہیں اس کا اندازہ آپ کو اس میدان میں قدم رکھنے کے بعد ہی ہوگا۔ سب سے اہم خوبی جو مجھے اچھی لگی وہ یوزرنیم والا فیچر ہے جس میں دیگر ایپس کے مقابلے زیادہ پرائیویسی اور سیکیورٹی ہے۔ ■

Shuaib Alam Qasmi
Shaikhul Hind Academy
Darul Uloom, Deoband - 226012 (UP)

جاوید مجیدی

اتحاد

دیکھو دیکھو بادل آئے
ہے یہ منظر بہت سہانا
عادل بولا آؤ، آؤ
کھیلیں گے مل جل کر ہم سب
داور بولا میں آتا ہوں
پنکج، رامو اور انیتا
ساجد، ماجد اور سکندر
اک دوجے کے ہاتھ وہ پکڑے
سب ہیں اپنے من کے میت
ان بچوں میں بھید نہ بھاؤ
اتنے میں بارش کی بوندیں
ہوگئے خوش یہ بچے سارے
کل ملتے ہیں وعدہ کرکے

ساتھ اپنے وہ بارش لائے
کوئی اپنے گھر مت جانا
لڈو، پیڑے مل کر کھاؤ
گھر جائیں گے ایسے میں کب
ساتھ میں ٹنکو کو لاتا ہوں
دوڑ کے آئے جیسے چیتا
بولے کھل گیا ان کا مقدر
ناچ رہے تھے سب مل جل کے
گا بھی رہے تھے قومی گیت
آپس میں ہے کتنا لگاؤ
بچوں کے تن من کو چومیں
جیسے چندا اور ستارے
اپنے اپنے گھر کو لوٹے

■

JawaidMajidi
5/2, G.C.R.C Ghat Road, Po: Shibpur
Distt.: Howrah - 711102 (West Bengal)

■ ابرار اعظمی

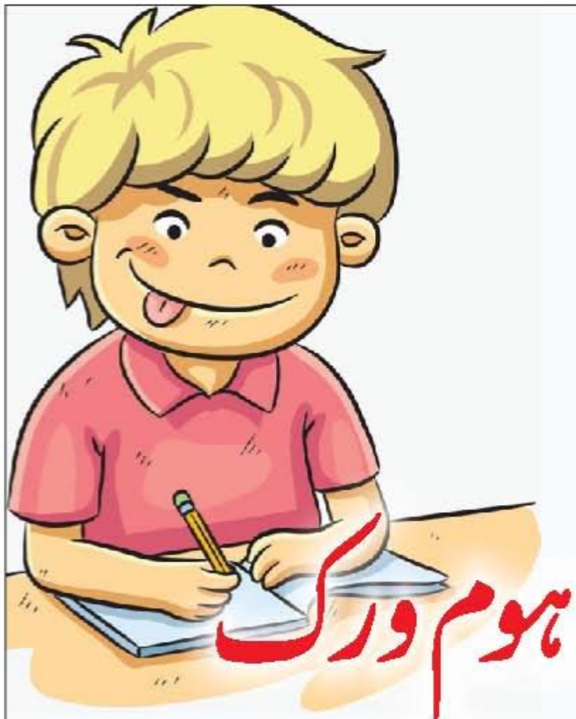

آسمان گر نیچے ہوتا کتنے ہوتے مزے ہمارے
ہر دم ساتھ کھیلتے رہتے سورج چندا سارے ہمارے

امنڈ امنڈ کر بادل آتے کرتے ان پر خوب سواری
بنا ٹکٹ ہم گھومتے رہتے شام سویرے دنیا ساری

کھیل کھیلتے پریوں کے سنگ جب ہم چلے دور تک جاتے
ہوم ورک کے لیے، ہمارے ابو امی ڈھونڈ نہ پاتے

■

Dr. Abrar Azmi
Khalis Pur
Azamgarh - 276138 (UP)
Mob.: 7388735628

■ ستار فیضی

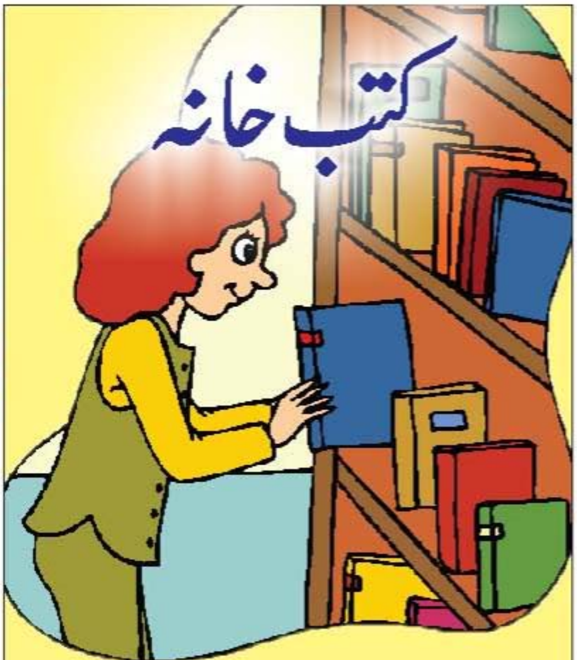

ہیں کتابیں جہاں علم و حکمت وہاں
جو بھی آتا رہا علم پاتا رہا
دل کو حاصل خوشی ذہن کو روشنی
عقل کی کان ہے علم کی جان ہے
علم سے رفعتیں علم سے حکمتیں
ایکتا کا نشاں ہر زباں کا مکاں
علم کا ہے نگر یہ کتابوں کا گھر
پڑھ لو فیضی میاں
میری اردو زباں

■

Sattar Faizi
5/205-1, Fort Street
Kadapa - 516001 (AP)

سید پرویز قیصر

عالمی کپ فٹ بال 2018

عالمی کپ فٹ بال ٹورنامنٹ اس مرتبہ روس کے مختلف شہروں میں 14 جون سے 15 جولائی تک کھیلا جائے گا جس میں 32 ٹیمیں شرکت کررہی ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے جب روس میں عالمی کپ منعقد ہورہا ہے۔ 2006 کے بعد یہ پہلا موقع ہے جب یورپی ملک کو عالمی کپ کی میزبانی ملی ہے۔

اس عالمی کپ میں چھ براعظموں کے 210 ملکوں نے شرکت کی تھی جس میں سے 32 کو فائنل راؤنڈ میں کھیلنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔

فائنل راؤنڈ میں شرکت کرنے والی 32 ٹیموں کو آٹھ گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ گروپ اے میں میزبان روس کے علاوہ سعودی عرب، مصر اور یوروگوائے کو رکھا گیا ہے جبکہ گروپ بی پرتگال، اسپین، مراکش، اور ایران پر مشتمل ہے۔ گروپ سی میں فرانس، آسٹریلیا، پیرو اور ڈنمارک کو جگہ ملی ہے جبکہ گروپ ڈی میں ارجنٹینا، آئس لینڈ، کروشیا اور نائیجیریا کو رکھا گیا ہے۔ برازیل، سوئٹزرلینڈ، کوسٹاریکا اور سربیا کو گروپ ای میں ہیں جبکہ گروپ ایف میں دفاعی چیمپئن جرمنی کے علاوہ میکسیکو، سویڈن، اور جنوبی کوریا کو شامل کیا گیا ہے۔ گروپ جی بلجیم، ناما، تیونس اور انگلینڈ پر مشتمل ہے جبکہ پولینڈ، سینی گال، کولمبیا اور جاپان گروپ ایچ میں ہیں۔

ہر گروپ میں پہلی دو پوزیشن حاصل کرنے والی 6 ٹیمیں دوسرے راؤنڈ میں کھیلنے کی حقدار بنیں گی۔ ان میچوں کی فاتح کوارٹر فائنل میں کھیلیں گی۔ اس عالمی کپ کا فائنل 15 جولائی کو ماسکو میں کھیلا جائے گا۔ ماسکو میں دو اسٹیڈیموں میں میچ ہوں گے جبکہ دیگر گیارہ شہروں میں ایک ایک میچ کھیلا جائے گا۔

روس کو میزبان ملک ہونے کی وجہ سے اس فائنل راؤنڈ میں کھیلنے کا موقع ملا ہے۔ روس نے اس سے قبل 10 مرتبہ فائنل راؤنڈ میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ 1990 تک اس نے سوویت یونین کے طور پر شرکت کی تھی۔

برازیل وہ واحد ٹیم ہے جس نے ابھی تک ہوئے سبھی 20 ٹورنامنٹوں میں شرکت کی ہے۔ اس نے پانچ مرتبہ فٹ بال کے عالمی چیمپئن ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا ہے۔ کوئی دوسری

عالمی کپ فٹ بال میں پہلے چار مقام

سال	میزبان	چمپئن	رَنراَپ	تیسری	چوتھی
1930	یوروگوائے	یوروگوائے	ارجنٹینا	امریکہ	یوگوسلاویہ
1934	اٹلی	اٹلی	چیکوسلکواکیہ	جرمنی	آسٹریا
1938	فرانس	اٹلی	ہنگری	برازیل	سوئیڈن
1950	برازیل	یوروگوائے	برازیل	سوئیڈن	اسپین
1954	سوئٹزرلینڈ	جرمنی	ہنگری	آسٹریا	اوروگوائے
1958	سوئیڈن	برازیل	سوئیڈن	فرانس	جرمنی
1962	چلی	برازیل	چیکوسلواکیہ	چلی	یوگوسلاویہ
1966	انگلینڈ	انگلینڈ	جرمنی	پرتگال	سوویت یونین
1970	میکسیکو	برازیل	اٹلی	جرمنی	یوروگوائے
1974	جرمنی	جرمنی	ہالینڈ	پولینڈ	برازیل
1978	ارجنٹینا	ارجنٹینا	ہالینڈ	برازیل	اٹلی
1982	اسپین	اٹلی	جرمنی	پولینڈ	فرانس
1986	میکسیکو	ارجنٹینا	جرمنی	فرانس	بلجیم
1990	اٹلی	جرمنی	ارجنٹینا	اٹلی	انگلینڈ
1994	امریکہ	برازیل	اٹلی	سوئیڈن	بلغاریہ
1998	فرانس	فرانس	برازیل	کروشیا	ہالینڈ
2002	جنوبی کوریا/ جاپان	برازیل	جرمنی	ترکی	جنوبی کوریا
2006	جرمنی	اٹلی	فرانس	جرمنی	پرتگال
2010	جنوبی افریقہ	اسپین	ہالینڈ	جرمنی	یوروگوائے
2014	برازیل	جرمنی	ارجن ٹائینا	ہالینڈ	برازیل

ٹیم اس سے زیادہ مرتبہ فٹ بال کا عالمی کپ جیتنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔

برازیل نے 1958 میں سوئیڈن میں ہوئے عالمی کپ فائنل میں پہلی مرتبہ چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ اس نے میزبان سوئیڈن کو 2-5 سے شکست دے کر ایسا کیا تھا۔
چار سال بعد اس نے چلی میں ہوئے فائنل راؤنڈ میں

چیکوسلواکیہ کو 1-3 سے شکست دے کر دوسری مرتبہ عالمی کپ پر قبضہ کیا تھا۔ اس نے تیسری مرتبہ یہ اعزاز 1970 میں میکسیکو میں اٹلی کو 1-4 سے ہرانے کے بعد حاصل کیا تھا۔

چوتھی مرتبہ برازیل نے عالمی کپ 1994 میں امریکہ میں ہوئے ٹورنامنٹ میں حاصل کیا تھا۔ اس نے فائنل میں اٹلی کو پنالٹی شوٹ آؤٹ میں 2-3 سے ہرایا تھا۔ مقررہ وقت تک دونوں ٹیمیں 0-0 سے برابر تھیں۔ 16 سال قبل جب پہلی مرتبہ عالمی کپ فٹ بال ٹورنامنٹ کا فائنل راؤنڈ پہلی مرتبہ ایشیا میں ہوا تھا تو برازیل نے جرمنی کو 0-2 سے ہرانے کے بعد آخری مرتبہ عالمی چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔

برازیل دو مرتبہ رنراَپ رہی جبکہ دو مرتبہ اس کو تیسری پوزیشن ملی ہے۔ دو مرتبہ وہ چوتھے مقام پر رہی ہے۔

جرمنی اور اٹلی نے چار چار مرتبہ عالمی کپ جیتا ہے۔ جرمنی نے 1954, 1974, 1990 اور 2014 میں عالمی چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا جبکہ 1966, 1982, 1986 اور 2002 میں وہ دوسرے مقام پر رہی تھی۔ چار مرتبہ اس نے تیسری پوزیشن حاصل کی ہے جبکہ ایک مرتبہ وہ چوتھے مقام پر رہی ہے۔

اٹلی نے 1934 میں پہلی مرتبہ عالمی کپ جیتا تھا جبکہ چار سال بعد اس نے کامیابی کے ساتھ اس کا دفاع کیا تھا۔ 1982 میں وہ تیسری مرتبہ عالمی چمپئن بنی تھی جبکہ 2006 میں وہ آخری مرتبہ یہ اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ 1970 اور 1994 میں اٹلی فائنل میں ہاری تھی جبکہ 1990 میں اس کو تیسرا مقام ملا تھا۔ 1978 میں اٹلی چوتھے مقام پر رہی تھی۔

ارجنٹینا نے 1978 میں پہلی مرتبہ عالمی چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ اس مرتبہ عالمی کپ کا فائنل راؤنڈ ارجنٹینا میں ہی کھیلا گیا تھا۔ تین مرتبہ ارجنٹینا نے تیسرا مقام حاصل کیا ہے۔ اس نے ایسا 1930, 1990 اور 2014 میں کیا تھا۔

پہلی مرتبہ عالمی کپ حاصل کرنے والی یوروگوائے نے دو مرتبہ عالمی چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اس نے 1930 میں اپنے گھر پر ارجنٹینا کو 2-4 سے شکست دے کر چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ 1950 میں اس نے دوسری

مرتبہ عالمی کپ حاصل کیا تھا۔ فائنل میں اس نے میزبان برازیل کو 2-1 سے شکست دی تھی۔ تین مرتبہ یوروگوائے نے تیسری پوزیشن حاصل کی ہے۔ ایسا اس نے 1934,1970 اور 2010 میں کیا تھا۔

فرانس، انگلینڈ اور اسپین نے ایک ایک مرتبہ عالمی چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ فرانس نے 1998 میں اپنے گھر پر ہوئے ٹورنامنٹ میں برازیل کو 0-3 سے شکست دے کر ایسا کیا تھا۔ 2006 میں اس نے دوسرا مقام حاصل کیا تھا جبکہ 1958 اور 1986 میں وہ تیسرے نمبر پر رہی تھی۔ 1982 میں اس کو چوتھا مقام ملا تھا۔

انگلینڈ نے 1966 میں اپنے گھر پر ہوئے ٹورنامنٹ میں چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ 1990 میں اس کو چوتھا مقام ملا تھا۔

اسپین نے 2010 میں عالمی چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ اس نے فائنل میں ہالینڈ کو فاضل وقت میں 0-1 سے شکست دی تھی۔ 1950 میں اسے چوتھا مقام ملا تھا۔

ہالینڈ نے ابھی تک تین مرتبہ فائنل میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا ہے مگر ہر مرتبہ اسے شکست ملی ہے۔ 1974 میں اسے جرمنی نے 1-2 سے شکست دی تھی جبکہ 1978 میں ارجنٹینا نے اسے فاضل وقت میں 1-3 سے ہرایا تھا۔ 2010 میں اسپین نے اس کے خلاف فاضل وقت میں 0-1 سے کامیابی حاصل کی تھی۔ ہالینڈ نے 2014 میں تیسری پوزیشن حاصل کی تھی جبکہ 1998 میں وہ چوتھے مقام پر رہی تھی۔

■

Syed Pervez Qaiser
1433, Qasim Jan Street
Ballimaran, Delhi - 110006

جوابات

حمید ادیبی نانڈوری

چھوٹے لوگ، بڑے کارنامے

اگر ہم بڑے لوگوں کی سوانح حیات پڑھیں تو ہم کو معلوم ہوجائے گا کہ شروع میں وہ بہت چھوٹے تھے۔ ان کا کوئی مقام نہیں تھا۔ ان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ لوتھر بربنک (Loother Berbank) ایک ماہرِ باغباں تھا۔ وہ ایک عورت کے

سہارے اپنی زندگی بچا پایا تھا۔ وہ عورت ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں رہتی تھی۔ اس عورت نے لوتھر بربنک کی نہ صرف جان بچائی بلکہ اس کی تیمارداری کی اور اسے ازسرِنو کام کرنے پر اکسایا۔

سعدی شیرازی ایک مزدور تھے۔ پڑھائی لکھائی میں اس درجہ دلچسپی لیتے اور اس درجہ محنت کرتے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں 'گلستاں' اور 'بوستاں' ان کے کارناموں میں شمار کی جاتی ہیں، جن کی بدولت وہ مشہور ہوئے۔

مصطفےٰ کمال پاشا اتاترک کو کون نہیں جانتا؟ وہ اپنے ماموں کی بکریاں چراتے تھے۔ بعد ازاں فوج میں بھرتی ہوگئے۔ ترقی

کرتے کرتے وہ ترکی کے بادشاہ بن گئے اور کئی برس تک حکمرانی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انھیں غازی مصطفےٰ کمال پاشا اتاترک کہا جاتا تھا۔ حضرت اویس قرنی علم سے چالیس سال تک بے بہرہ رہے۔ ایک مرتبہ صحرا میں بھٹک رہے تھے۔ انھیں پیاس محسوس ہوئی۔ پانی کی تلاش میں وہ ایک کنویں پر

پہنچے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ رسی کی رگڑ سے ایک پتھر گھس گیا، جب ایک پتھر گھس سکتا ہے، تو میں ایک انسان ہوں، میں کیوں علم نہیں سیکھ سکتا؟ اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ انھوں نے علم سیکھنا شروع کیا اور علم میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

راک فیلر (Rock Fieler) امریکہ کا ایک کروڑپتی آدمی ہے۔ ابتدا میں وہ ایک معمولی سپاہی تھا۔ ترقی کی منزلیں طے کرکے وہ ایک دن فرانس کا شہنشاہ بن گیا۔

اڈولف ہٹلر (AdolfHitler) کو یہ دنیا کبھی نہیں بھول سکتی۔ وہ ایک لوہار کا بیٹا تھا۔ فوج میں بھرتی ہوگیا اور اپنی محنت اور لگن

کی بدولت وہ جرمنی کا مطلق العنان حاکم (Dictator) بن گیا۔ اس کے ایک اشارے پر جرمنی کے نوجوان جان بھی قربان کردینے کو تیار رہتے تھے۔ اس نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے کہ دنیا آج بھی حیرت کرتی ہے۔

سرسید احمد خاں بہت غریب تھے۔ بچپن میں ان کے والد کا

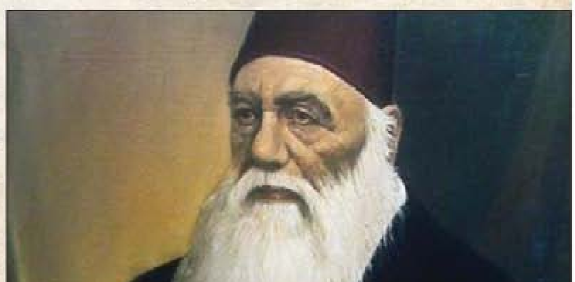

انتقال ہوگیا۔ اُن کی والدہ نے اُن کو بڑی مصیبت اور تکلیف سے پالا پوسا اور تعلیم دلوائی۔ انھوں نے بھی نہایت دلچسپی اور لگن سے تعلیم حاصل کی۔ اپنی تعلیم کی بدولت وہ ترقی کرتے کرتے ایک جج کے عہدے پر پہنچ گئے۔ قوم کے لیے انھوں نے چندہ کرکے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی قائم کی جس کے لیے مسلم قوم آج بھی ان کی احسان مند ہے۔

مائیکل فرائیڈے (MichaelFaraday) لندن کے قریب کسی دیہات کے ایک غریب لوہار کے گھر پیدا ہوا۔ ابتدائی

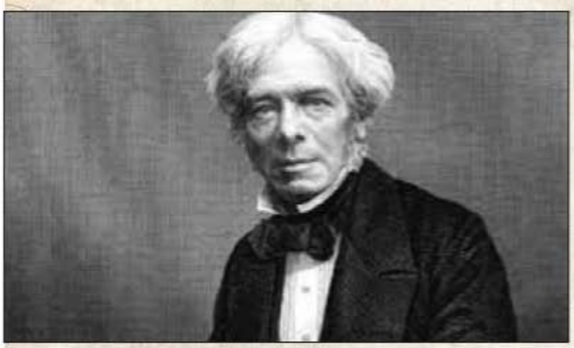

اسکول میں وہ ایک معمولی طالب علم تھا۔ والدین نہایت غریب تھے۔ مالی حالت بہتر نہ ہونے کی وجہ سے فرائیڈ کو کمسنی میں روزی کمانے کے لیے نکلنا پڑا۔ اس کو ایک کتب فروش کے ہاں نوکری مل گئی۔ دوکاندار نے اس کے کام سے خوش ہوکر اسے جلدسازی کا کام سکھایا۔ جلدسازی کا کام سیکھتے وقت وہ کتاب میں برقیات اور علم کیمیا کے اصولوں پر مبنی مضامین پڑھتا اور انھیں لکھ لیا کرتا۔ گھر جاکر ان پر چھوٹے چھوٹے تجربے کرتا۔ نتیجے کی پرواہ کیے بغیر وہ ناممکن کو ممکن بنادینے کا عزمِ راسخ رکھتا تھا۔ یہی اس کی زندگی کا نصب العین تھا۔ دورانِ ملازمت اس نے مشہور سائنس داں سر ہمفری ڈیوی (Sir Humphry Davy) کی تقریر سنی۔ اس نے تقریر کا خلاصہ اور ملازمت کا عریضہ سر ہمفری ڈیوی کو روانہ کیا۔ عرضی کے ساتھ اپنی تقریر کا

خلاصہ دیکھ کر سر ہمفری ڈیوی بڑے خوش ہوئے۔ انھوں نے فرائیڈے کو طلب کیا۔ ملاقات (Interview) کے وقت فرائیڈے نے اپنے کیے ہوئے تجربے کی معلومات فراہم کی۔اس کے تجربات جان کر سر ہمفری ڈیوی نے اس کا تقرر رائل انسٹی ٹیوٹ (Royal Institute) میں بحیثیت معاون کردیا اور لگن سے سر ہمفری ڈیوی کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ اکیس سال کی عمر میں وہ ان کا چہیتا شاگرد بن گیا۔ سائنس کے میدان میں سر ہمفری ڈیوی کی ہستی عظیم مانی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ان کے کسی دوست نے ان سے دریافت کیا کہ ان کی تحقیقات میں سب سے اہم کون سی تحقیق ہے۔ انھوں نے مختصراً اپنی چند کیمیائی دریافتوں کا تذکرہ کیا۔ بعد میں انھوں نے کہا کہ ان کی سب سے بڑی دریافت مائیکل فرائیڈے ہے۔

مائیکل فرائیڈ (Michael Faraday) تجربات کرتا رہا۔اس نے برقی رو کی پیمائش کے لیے امپیئر (Ampier) اکائی والا آلہ اور ڈائینمو (Dynamo) ایجاد کر کے سائنس کی دنیا میں مقبولیت اور شہرت پائی۔ انتہائی غربت اور افلاس میں پرورش پاکر صرف ذاتی قابلیت اور صلاحیت کے بل بوتے پر کامیاب ہونے والا یہ بے مثال سائنس داں نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گیا۔

انسان کی بزرگی اور عظمت کا دار ومدار اچھے گھرانوں کی پیدائش پر نہیں ہوتا۔ معمولی گھرانوں میں جنم لینے والے اشخاص بھی باصلاحیت ہوتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں سے دنیا کو متوجہ کر لیتے ہیں۔

کچھ لوگ اپنی کامیابی کے لیے کسی کی سرپرستی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب انھیں کسی کی سرپرستی اور شفقت نہیں ملتی، تب وہ کہتے ہیں کہ چونکہ انھیں کسی کی سرپرستی وغیرہ حاصل نہیں، اس لیے وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ ایسے لوگوں کا یہ کہنا سراسر غلط ہے۔ دنیا میں ہر ایک کو کسی کی سرپرستی نہیں مل جاتی۔ ایسے بھی کئی افراد ہیں، جو صرف اپنی کوششوں کے بل بوتے پر ہی کامیاب ہوئے۔ انسان کو یہ جان لینا چاہیے کہ کامیابی کے لیے کسی کی حوصلہ افزائی، سرپرستی اور شفقت کی ضرورت ہرگز نہیں۔ کامیابی کے لیے کوشش شرط ہے۔ اگر سرپرستی مل جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔

واسل یروشنکو (Vasyl Yeroshenko) کے حالات زندگی پڑھ کر انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ پروشنکو ملک روس کے

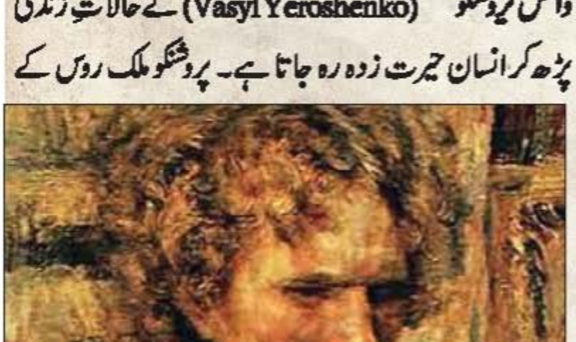

مشہور شہر اکرائین (Ukraine) کے مشرق میں اور خفکا (Obu Khivka) نامی ایک دیہات میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق مزدور گھرانے سے تھا اور وہ دونوں آنکھوں سے اندھا تھا۔ اس کا باپ دوسروں کے کھیتوں میں ایک مزدور کی

حیثیت سے کام کر کے کسی طرح دو وقت کی روٹی کماتا۔ واسل یروشنکو اپنے باپ کے ہمراہ کھیت جاتا تھا۔ وہ چار سال کی عمر میں اپنی آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھا۔ ذرا بڑا ہونے پر اس نے اندھوں کے لیے طریقۂ تعلیم بریلے سسٹم (Braile Systeme) سے علم حاصل کیا۔ کچھ عرصے کے بعد، اس کے دوست اسے انگلینڈ لائے۔ اس وقت وہاں اندھوں کے لیے تعلیم کا اچھا انتظام ہو گیا تھا۔ وہاں اسے غریب سمجھ کر اس کے اساتذہ ترس کھا کر اس پر رحم کرتے۔ اسے اساتذہ کا یہ رویہ برا لگا۔ وہ اسے اپنی شان کے خلاف لگا کہ کوئی اس پر ترس کھائے۔ اس کی غیرت نے یہ بات گوارہ نہیں کی کہ وہ دوسروں کے رحم و کرم پر رہے۔ وہ وہاں سے نکل گیا۔ 1914 میں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ واسل یروشنکو ٹوکیو (جاپان) کے سفر پر بغیر کسی رہنما کے نکل پڑا۔ یہ جان کر اس کے تمام واقف کاروں کو سخت تعجب ہوا اور تشویش بھی ہوئی۔ ٹوکیو پہنچ کر اس نے جاپان اور جاپانی عوام کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی اور ان کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کیے بغیر نہ رہ سکا۔ 1916 میں اس کی پہلی کہانی شائع ہوئی۔ اپنے سفر کے دوران اس نے تھائی لینڈ، برما اور ہندوستان کا دورہ کیا۔ وہ جہاں بھی جاتا، وہاں غریب بچوں کو مفت تعلیم دیتا۔ اس نے کبھی اپنے آپ کو اندھا نہیں جانا اور نہ کبھی اس پر اندھے پن کی وجہ سے اداسی چھائی۔ اس کے برخلاف، اس کی ادبی سرگرمیاں نئے افق چھونے لگیں۔ وہ لکھتا رہا اور خوب لکھتا رہا۔ اس نے جاپانی ادب میں اپنے خیالات کی مشعل روشنی کر دی۔ جاپان کے ایک مشہور مترجم واشیکو یوآسا (Rashiko Uasa) نے واسل یروشنکو کو ان قابل ذکر الفاظ سے نوازا:

''واسل یروشنکو اندھا تھا، مگر وہ آنکھ والوں کے لیے رہنما تھا۔''

واسل یروشنکو نے ایک پری زاد کہانی لکھی تھی۔ اس کہانی میں اس نے ایک مرکزی کردار 'عظیم شہزادہ' تخلیق کیا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ 'عظیم شہزادے' نے اپنے سینے کو اس لیے چیر کے رکھ دیا تھا کہ اس کے اپنے خون سے حق و انصاف کے پھولوں کی آبیاری ہو سکے اور عوام کو حقیقی خوشیاں نصیب ہوں، واسل یروشنکو اپنے تخلیق کردہ 'عظیم شہزادے' جیسے افراد کو پسند کرتا تھا۔

اندھے واسل یروشنکو کے حالات زندگی اور اس کے کارناموں سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آدمی بغیر کسی کی سرپرستی کے بھی زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ شروع شروع میں آدمی بہت چھوٹا ہوتا ہے، اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اس کی کچھ وقعت نہیں ہوتی مگر وہ ترقی کے لیے کوشاں رہے اور اس کے لیے جدوجہد میں مصروف رہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک روز کامیابی ان کے قدم نہ چومے۔ آدمی کو یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اُسے ایک نہ ایک دن اس کا پھل ضرور ملتا ہے اور وہ اپنی زندگی میں سرفراز ہو کر رہتا ہے:

تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آشیاں اور بھی ہیں

■

ماخذ: کامیابی کا راز، مصنف: حمید ادیبی ناندوری
سنہ اشاعت: 2016

مرزا حامد بیگ

ایک تھی بُڑھیا

ایک تھی بڑھیا اور اُس کا ایک بیٹا بھی تھا۔

بیٹا بہت دُور رہتا تھا۔ بُڑھیا اکیلی تھی اور بیمار رہتی تھی۔

بُڑھیا نے سوچا، چلوں اپنے بیٹے کے گھر۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کے گھر کیسے جاتی۔ اس کا گھوڑا بھی نہیں تھا اور نہ کوئی سنگی ساتھی۔

وہ کیا کرتی۔ اپنے بیٹے کے گھر کیسے جاتی۔

بڑھیا نے سوچا:

میں کیا کروں۔ اپنے بیٹے کے گھر کیسے جاؤں۔

بڑھیا کے گھر میں ایک بڑا سا مٹکا تھا۔ مٹکے نے کہا:

"کیوں فکر کرتی ہو۔ میں لے جاؤں گا تمھیں، تمھارے بیٹے کے گھر۔"

بڑھیا خوش ہوگئی۔

اُس رات بہت بارش ہوئی۔ ندّی نالوں میں پانی آگیا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی۔ گلیاں اور بازار پانی سے بھر گئے۔

مٹکے نے کہا:

"جلدی کر، چلیں۔"

"بڑھیا کیا کرتی۔ مٹکا چل پڑا تھا۔

بڑھیا مٹکے میں بیٹھ گئی۔ مٹکا پانی میں اُتر گیا اور تیرنے لگا۔

بڑھیا بولی:

چل میرے مٹکے ٹم مک ٹم

کہاں کی بڑھیا، کہاں کے تم

مٹکا چل پڑا۔ گلیوں اور بازاروں سے ہوتا ہوا۔

راستے میں جنگل تھا۔ جنگل میں جانور تھے۔

جانوروں کو دیکھ کر بڑھیا ڈر گئی۔ کہنے لگی:

"ہائے! مجھے جانور کھا جائیں گے۔"

مٹکا بولا:

"ڈر کا ہے کا؟"

بڑھیا نے کہا:

"جنگل میں شیر بھی ہوگا۔"

مٹکا بولا:

"پھر کیا ہوا؟"

بڑھیا بولی:

"جنگل میں لکڑ بگا بھی ہوگا۔"

مٹکے نے کہا:

"ہوتا رہے۔"

بڑھیا بولی:

"جنگل میں ریچھ بھی ہوگا۔"

مٹکے نے کہا:

"شیر، لکڑ بگا، ریچھ جنگل میں ہیں تو آتے کیوں نہیں۔"

یہ سن کر شیر، لکڑ بگا اور ریچھ آگئے۔

شیر بولا:

"ہام ہام ہام..... بڑھیا کو میں کھاؤں گا۔"

لکڑبگا بولا:
''خی خی خی..... بڑھیا کو میں کھاؤں گا۔''

ریچھ کہنے لگا:
''مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ بڑھیا کو مجھے کھانے دو۔''

بڑھیا بولی:
''کیوں کھاتے ہو مجھے۔ میں تو کمزور سی ہوں۔ مجھے بیٹے کے گھر جانے دو۔ بیٹے کے گھر۔ اچھے اچھے کھانے کھاؤں گی تو موٹی ہو جاؤں گی۔ جب بیٹے کے گھر سے واپس آؤں گی تب کھالینا۔''

شیر بولا: ''ہوں۔''

لکڑبگا اور ریچھ بولے: ''ہوں—''

بڑھیا کی جان میں جان آئی تو بولی:

چل میرے مٹکے ٹم مک ٹم
کہاں کی بڑھیا، کہاں کے تم

مٹکا چل پڑا۔

بڑھیا، جنگل سے نکل کر اپنے بیٹے کے گھر پہنچی۔ وہ بہت خوش تھی۔ بیٹے نے اُسے اچھے اچھے کھانے کھلائے۔

بڑھیا نے جی بھر کر کھایا۔

بڑھیا، کھا کھا کر خوب موٹی تازی ہوگئی۔

ایک دن بڑھیا کہنے لگی: ''بیٹا، اب میں اپنے گھر جاؤں گی۔''

بیٹا بولا: ''خیر سے جائیں۔''

بڑھیا مٹکے میں بیٹھ گئی۔

چل میرے مٹکے ٹم مک ٹم
کہاں کی بڑھیا، کہاں کے تم

مٹکا چل پڑا۔

راستے میں جنگل تھا۔

جنگل میں شیر، لکڑبگا اور ریچھ تھے۔

شیر نے مٹکے میں بیٹھی بڑھیا کو دیکھ لیا۔ کہنے لگا:

''بڑھیا تو خوب موٹی تازی ہو کر آئی ہے۔''

لکڑبگا بولا: ''خی خی خی.... مجھے تو بھوک لگ گئی۔''

ریچھ نے کہا: ''آؤ اب بڑھیا کو کھالیں۔''

جنگل کے سارے جانور مل کر بولے: ''اچھا، تو اَب ہم بڑھیا کو کھائیں گے۔'' یہ سن کر بڑھیا بولی: ''پہلے مجھے دو دو مٹھی ریت لادو، تب کھانا۔'' وہ مان گئے۔

دو مٹھی ریت شیر لایا۔ دو مٹھی لکڑبگا اور دو مٹھی ریچھ لایا۔

بڑھیا اپنے ہاتھوں میں ریت لے کر بیٹھ گئی اور بولی:

''آؤ، اب مجھے کھاؤ۔''

جب وہ اسے کھانے کو آگے بڑھے تو بڑھیا نے مٹھی بھر بھر کر ریت ان کی آنکھوں میں ڈال دی۔

اب جانور اُسے کیسے کھاتے۔

بڑھیا بولی:

چل میرے مٹکے ٹم مک ٹم
کہاں کی بڑھیا، کہاں کے تم

مٹکا چل پڑا۔

جنگل کے جانور پیچھے رہ گئے اور بڑھیا اپنے گھر پہنچ گئی۔

■

Dr. Mirza Hamid Baig
Lahore, (Pakistan)

رؤف صادق

جوہی کی مالا

اسکول کی سالانہ تقریب آج سے شروع ہونے جا رہی تھی۔ اس تقریب میں ہر طرح کے کھیل کود، کرکٹ، فٹ بال، شطرنج، مصوری کے مقابلے، تقریری و تحریری مقابلے، ڈرامے اور دوڑ کے مقابلے شامل تھے۔ ان میں جنرل نالج کا مقابلہ بھی شامل تھا۔ اس مقابلے میں پورے اسکول سے دس طلبہ و طالبات کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ یہ کوئز مقابلہ تھوڑا مختلف اس لیے بھی تھا کہ ہر بچے کو علیحدہ علیحدہ ممتحن کے سوالات کے جوابات دینے تھے۔ ظاہر ہے جس کے نمبرس زیادہ ہوں گے ان کو انعام سے نوازا جائے گا۔ اس بار جوہی نے جنرل نالج مقابلے میں حصہ لیا تھا۔

علی الصبح، ممی نے چھ بجے جوہی کو نیند سے جگا دیا تھا۔ تھوڑا بہت جنرل نالج کا ریوجن کرنے کے بعد اب وہ اسکول جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ دوسرے کمرے سے ممی کی آواز سنائی دی۔

”جوہی اسکول جانے کے لیے نہا دھو کر تیار ہو جاؤ اور سنو! اسکول کا یونیفارم چھوٹی الماری میں رکھا ہے۔ میں ناشتہ تیار کر رہی ہوں۔ ناشتہ کھا کر اسکول جانا۔ سمجھیں!“

”جی ممی!“

جب وہ تیار ہو کر اسکول پہنچی۔ ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ ابھی مقابلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ جوہی کی عادت تھی وہ ہمیشہ وقت سے پہلے اسکول پہنچ جایا کرتی تھی تاکہ دعا میں شامل ہو سکے۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

علامہ اقبال کی یہ نظم جو اسکول کا ترانہ بھی تھا وہ اکثر گنگنایا کرتی تھی۔

نو بجے کے قریب اس کا نام پکارا گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ لیکن وہ پر اعتماد اور مطمئن تھی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تین ممتحن کرسی پر بیٹھے نظر آئے۔ انھوں نے جوہی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ درمیان میں بیٹھی ہوئی میڈم نے پہلا سوال پوچھا۔

○ خلفائے راشدین کے نام بتلایئے؟

جوہی نے جواب دیا:

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

○ تاج محل کس دریا کے کنارے تعمیر کیا گیا؟

☆ دریائے جمنا کے کنارے۔

○ بدھ دھرم کے بانی کا نام؟

☆ مہاتما گوتم بدھ

○ راشٹریہ گیت کس نے لکھا؟

☆ رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا ہے۔

○ چاند پر پہلا قدم رکھنے والے کا نام بتا سکتی ہو؟

☆ نیل آرم اسٹرانگ

○ ہندوستان کے کس سائنس داں کو میزائل مین کہتے ہیں؟

☆ اے پی جے عبدالکلام۔ جو ہندوستان کے گیارہویں راشٹر پتی تھے۔ ان کا پورا نام ابوالفاخر زین العابدین عبدالکلام تھا۔

○ آزاد ہندوستان کا دستور کس کی رہنمائی میں لکھا گیا؟

☆ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر۔

○ شیر شاہ سوری نے ہندوستان کی سب سے لمبی سڑک کہاں سے کہاں تک بنوائی تھی؟

☆ شیر شاہ سوری نے پشاور سے سونار گاؤں (بنگلہ دیش) تین ہزار کلو میٹر لمبی سڑک بنوائی۔

○ آپ نے اتنا نالج کہاں سے حاصل کیا؟

☆ سر! میرے ڈیڈی، بچوں کی دنیا، امنگ، گل بوٹے اور بہت سارے بچوں کے رسالے منگواتے ہیں اور جنرل نالج کی کتابیں بھی لا کر دیتے ہیں جنھیں میں الماری کی شیلف میں حفاظت سے رکھتی ہوں۔ انھیں وقتاً فوقتاً پڑھتی رہتی ہوں۔ مجھے جنرل نالج سے خاص دلچسپی ہے۔

○ اچھا یہ بتاؤ۔ رائٹ برادرس Wright Brothers ان دو بھائیوں کے نام جانتی ہو؟

تھوڑا توقف کے ”سر میں پانی پی سکتی ہوں؟“

”ضرور!“

جوہی نے آدھا گلاس پانی پینے کے بعد اطمینان سے جواب دیا:

☆ سر! اور وِلے Orville اور وِلبر Wilbur۔ یہ دونوں بھائی ہوائی جہاز کے بھی موجد ہیں۔

میڈم نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے سوال پوچھا۔

○ علم کے تعلق سے پیغمبر اسلام کی کوئی حدیث یاد ہے؟

☆ جی! ہر مرد، عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

تیسرے ممتحن نے مسکراتے ہوئے سوال پوچھا اور کہا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ شاید وہ جوہی کو تذبذب میں ڈالنا چاہتا تھا۔ سوال تھا۔

○ اردو ڈرامہ کا شیکسپیئر کون ہے؟

☆ آغا حشر کاشمیری۔

○ اردو کا مشہور ناول امراؤ جان ادا کس نے لکھا؟

☆ مرزا ہادی رسوا نے لکھا ہے۔

تینوں ممتحن مسکرانے لگے۔ ایک ممتحن نے چشمہ کی اوٹ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔ آج اسکول کی تقریب کا تیسرا دن، انعامات کی تقسیم کا دن تھا۔ ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جیتنے والے تمام بچوں کو انعامات تقسیم کیے جا رہے تھے۔ ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔

جوہی کے ممی، ڈیڈی کے ساتھ بھائی دانیال، انس اور چچازاد بھائی شافع اور حماد بھی ہال میں بیٹھے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

آخر کار وہ گھڑی آئی۔ جب جوہی کے نام کا اعلان ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے ڈیڈی سے گذارش کی گئی تھی کہ پہلا

انعام دو ہزار روپے، ایک سند اور کتابوں کا سیٹ بطور انعام جوہی کو اپنے ہاتھوں سے دیں۔

جب ڈیڈی، جوہی کو پھولوں کی مالا پہنا رہے تھے۔ پورا ہال تالیوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ اسی شور میں جوہی نے اپنے ڈیڈی سے کہا۔

''ڈیڈی! ممی کہتی ہیں۔ غریب اور ضرورت مند کی ہمیشہ مدد کرنی چاہیے۔ ڈیڈی میں یہ انعام کے دو ہزار روپے اپنی سہیلی رابعہ کو دینا چاہتی ہوں کیونکہ وہ بہت غریب ہے۔ دو ماہ سے اسکول کی فیس نہ دینے کی وجہ سے ہوسکتا ہے وہ اس سال امتحان نہ دے سکے۔''

ڈیڈی نے جوہی کو مسکرا کر دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اجازت دے دی۔ جوہی کا چہرہ کھل اٹھا۔ پھر اس نے مائیک پر رابعہ کو دو ہزار روپے دینے کا اعلان کر دیا۔ دوسری بار ہال میں تالیوں کا طوفان امڈ آیا۔ اسی تالیوں کے شور میں وہ ڈیڈی کے ساتھ اسٹیج سے اُتر کر اپنی ممی کے پاس آئی اور اپنی مالا گلے سے اتار کر ممی کے گلے میں ڈال دی۔ پھر خوشی کے مارے ممی سے لپٹ کر ایسے رونے لگی گویا ممی کے گلے میں جوہی کی مالا کا ایک اک پھول مہکنے لگا ہو۔

کیا آپ کو پتہ ہے۔ جوہی کا اصلی نام کیا ہے؟ اصلی نام ہے۔

جویریہ راحت!!

■

Rauf Sadiq
Plot No.: 10, R.No.: 11, Gate 5
O.C.C. Malwani, Malad (W)
Mumbai - 400095 (Maharashtra)

Subscription Form "Bachon ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر........................ بتاریخ.............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com,sales@ncpul.in, 011-26108159:فیکس 011-26109746:فون

دستخط

قیوم اثر

چاند تاروں میں جا کے رہنا ہے

خواب خرگوش توڑ دینا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

میں تمھیں تتلیوں سے بہلاؤں
یا پتنگیں اڑا کے پھسلاؤں
اور کیرم کی گوٹیوں کے ساتھ
وقت برباد کرنا سکھلاؤں

ایک ہی کام کر گزرنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

نانی دادی سے لوریاں بھی سن
کون کہتا ہے تجھ سے موتی چن
اتنا نادان ہوگیا ہے تو
بند آنکھوں سے گارہا ہے گن

آسمانوں کی بات کرنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

پڑھنے لکھنے سے جی چراتا ہے
گلی ڈنڈے میں جی لگاتا ہے
گیند بلّے کا تو ہے شیدائی
عمر یوں ہی گزار دیتا ہے

اب نئے راستے پہ چلنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

نیچے درجوں میں پاس ہوجانا
ننھے منوں کا سیڑھی چڑھ جانا
ہے سفر علم کا ذرا لمبا
حوصلوں سے مگر سمٹ جانا

بند ذہنوں کا اب تو کھلنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

ایک نعمت کتاب ہے تیری
یوں ہی ٹلتی نہیں پریشانی
اس سے ملتے ہیں فائدے سارے
اس کی برکت کرے گی سلطانی

چاند تاروں میں جا کے رہنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

■
Qayyum Asar
168, Shivaji Nagar
Jalgaon - (Maharashtra)

■ حنا شمائم

میرا طوطا

جب اسکول سے میں گھر آتا
دیکھ مجھے وہ ہے چلاتا
خوش ہوکر وہ مجھ کو تکتا
میں ہنس دوں تو وہ ہے چہکتا
صبح سویرے سے اٹھ جاتا
مٹھو مٹھو شور مچاتا
ہری مرچ وہ شوق سے کھاتا
ہرا رنگ سرخ چونچ میں بھاتا
بری بات اس سے نہ کرنا
دہرائے گا وہ بھی ورنہ
جو بولو وہ بھی بولے
کلمہ پڑھتا ہولے ہولے
ہار گلے میں ہے رنگین
پڑھنے کا وہ ہے شوقین
دیکھ آئینہ شور مچاتا
اپنا چہرہ سمجھ نہ پاتا
وقت سے اٹھتا وقت سے سوتا
میرا شمائم پیارا طوطا

■

Dr. Hena Shamayem
M.B.B.S, D.G.O
Alam Clinic, Kaghzi Mohalla
(Bihar Sharif)

■ ساحر داؤد نگری

مور

مور قومی پرند ہے بچو
عمر بھر اس کو یاد تم رکھو
ملک کی اس کو شان کہتے ہیں
اپنا قومی نشان کہتے ہیں
سر پہ پنکھوں کا تاج ہو جیسے
اس کا جنگل میں راج ہو جیسے
جب بھی باہر نکل کے آتا ہے
یہ دلوں کو سبھی کے بھاتا ہے
کتنا اچھا سماں ہے جنگل میں
ناچ کر سب کا دل لبھاتا ہے
مور اچھا ہے مور پیارا ہے
پنچھیوں میں حسین ہے سب سے
واقعی بہترین ہے سب سے

■

Mr. Sahir Daud Nagri
6/225, Lalita Park, Laxmi Nagar
New Delhi - 110092

فرزانہ اسلم

ننھا بلو

موسم بے حد خوشگوار تھا۔ میں اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی رسالے کی ورق گردانی میں مشغول تھی۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی نے کچھ خنکی سی پیدا کردی تھی۔ کوارٹر کے احاطے میں لگے پیڑ پودے دھلے ہوئے نکھرے نکھرے نظر آرہے تھے۔ دن کا پچھلا پہر، اب سب کے گھر آنے کا وقت بھی ہو رہا تھا۔

''کھٹ...... کوئی آواز سی لگی جو کچن کے دروازے کے بند ہونے کی تھی مگر اپو اور مونا تو آفس روم میں اپنے ہوم ورک میں لگے تھے؟!

''کون؟''...... میں نے وہیں سے آواز لگائی، مگر جواب ندارد۔

''کہاں ہو بھئی......؟''

''اپو، مونا۔!''

مگر کوئی جواب نہ آیا۔ پھر ایسا لگا کہ کوئی جلدی جلدی چل کر آفس میں داخل ہوا۔ میں سمجھ گئی یہ دونوں پڑھنے کے بہانے مستیاں کر رہے ہیں اور آرام سے رسالہ پڑھنے لگی۔

میں 'اقبال ہوسٹل' کے سپرنٹنڈنٹ کوارٹر میں رہ رہی تھی۔ بچوں کو کھیلنے کی جگہ کافی تھی، لمبا چوڑا دو منزلہ کوارٹر اور اس کے اطراف میں کھلے لان کا خوشنما نظارہ کافی دلکش تھا۔ اب مجھے اپو کی بات یاد آتی ہے تو ہنسی آجاتی ہے۔ جب ہم روشن آرا بلڈنگ میں رہتے تھے تو وہ مجھ سے اکثر پوچھتی تھی کہ ممی مٹی کیسی ہوتی ہے؟ جب میں نے یہ بات گھر میں بتائی تو ان کے پاپا نے نظام، جو ان کے دربھنگہ ہاؤس اردو ڈپارٹمنٹ میں پیون تھے، ان کی معرفت پٹنہ کالج سے بورے میں مٹی منگائی تھی اور فلیٹ کی چھت پر ڈال کر ہم نے اس میں چند چھوٹے چھوٹے پودے لگا دیے تھے۔!! یہاں لان میں بچے صبح و شام مصروف رہتے۔ کبھی سائیکل چل رہی ہے تو کبھی کرکٹ کھیلا جا رہا ہے

اور کچھ نہیں تو پٹنہ کالج کے لان میں کھیلتے ہوئے اسٹوڈینٹس کو گیلری میں بیٹھ کر دیکھا جارہا ہے اور ان کے رن بنانے پرتالیاں بج رہی ہیں۔غرض ہنستی بولتی ہوئی مصروفیات اور شغل نے بچوں میں جان ڈال دی تھی......!

"ممی......ڈیٹول کہاں ہے؟!"

آں!؟ہاں—وہ باتھ روم میں اس کی شیشی ہوگی۔

مونا کو میں نے سرسری سا جواب دے دیا،مگر اگلے ہی لمحے میں جب میں نے غور کیا تو...... میں جلدی سے بستر سے اٹھی اور تیزی سے اس کے پیچھے گئی۔ڈیٹول کی شیشی لے کر وہ بھاگ کر آفس میں داخل ہوگئی۔ پیچھے پیچھے میں بھی وہاں گھسی......

"کیابات ہے؟ کس لیے ڈیٹول کی ضرورت آن پڑی—؟"

میرا دل دھڑکا۔میں نے جیسے ہی آفس میں قدم رکھا تو دیکھا کہ اپو بیڈ پر بیٹھا ہے۔اس کے داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بلی کا بچہ ہے اور بائیں ہاتھ کی کہنی سے خون رس رہا ہے۔

"ارے یہ کیا ہوا؟ کیسے لگی چوٹ؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ممی!" اپو نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مگر ہوا کیسے؟" میں نے سختی سے پوچھا اور روئی سے اس کے زخموں کو صاف کرنے لگی۔دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مونا نے کہا۔

"ممی! یہ بلو کو پکڑنے باہر گیا تھا۔وہیں پر گر گیا اور اسے چوٹ آگئی۔"

میں نے دیکھا بیڈ کے نیچے چھپا کر کٹوری رکھی ہے جس میں دودھ کچن سے لایا گیا تھا،اس بلو کے لئے! رفتہ رفتہ وہ بلی

کا بچہ یعنی بلو فیملی میں گھل مل گیا اور سب کے ساتھ کھیلنے کودنے لگا۔اکثر جب ان کے پاپا صوفہ پر بیٹھتے وہ کمبل میں آکر چھپ جاتا اور—جب میں کالج سے واپس آتی تو دیکھتی وہ میرے کپڑوں پر بیٹھا اسے سونگھتا رہتا—!!

اسے ڈر لگتا تھا تو صرف دو لوگوں سے جو اسے دوڑاتے رہتے تھے۔آفتاب اور اعجاز، بلکہ کبھی کبھی جب وہ کچن میں زیادہ دیر تک رہتا تو اسے بھگانے کیلئے یہ لوگ زمین پر ڈنڈے پیٹتے اور وہ انہیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوتا، مگر جب کبھی آفتاب کے ہاتھوں میں کالی پولی تھن دیکھتا تو وہ اس کے پیچھے پیچھے ڈولتا رہتا۔اسے معلوم ہوتا کہ اس میں اس کے لیے گوشت آیا ہے۔

اکثر جب ہم لوگ بیٹھے ہوتے وہ بچوں کے ساتھ کھیلنے لگتا—اپو دیوار سے لگے کھڑے کیرم بورڈ کی طرف اشارہ کرتا اور وہ اس کی کاؤنٹر ہول سے ہاتھ نکال کر ہلایا کرتا۔

میں جب بھی کرسی پر بیٹھی ہوئی کام کر رہی ہوتی وہ اسی کمرے میں کھیلتا رہتا۔اپو کا ایک کھلونا تھا ڈوگی جس کی گردن کی رسی پکڑ کر وہ میری طرف گھماتا......

"بلو...... بلو پکڑو، ڈوگی کو پکڑو—!! اور وہ اسے پکڑنے

دوڑتا، جب تک وہ ڈوگی کو میرے کپڑوں تک جھلا دیتا۔ بلو بے خیالی میں میری ٹانگوں پر چڑھ جاتا۔ مگر جیسے ہی میں بلو...... نیچے اترو! کہتی وہ بڑی تیزی کے ساتھ زمین پر اتر آتا۔

گرمی آنے والی تھی۔ ہم لوگ چپکے سے پچھلے دروازے سے باہر لان میں نکل آئے، مگر آتے دیکھا بلو ہم لوگوں سے پہلے ہی لان میں اٹھکھیلیاں کر رہا ہے۔ کبھی درخت کے اوپر چڑھتی ہوئی گلہری کے پیچھے دور تک درخت پر چڑھ جاتا، اور کبھی چھوٹے پودوں کی اوٹ میں چھپ جاتا۔ بچوں نے اسے دوڑانا شروع کیا تو وہ سوکھے پتوں پر لوٹیں مارنے لگا۔ ان دونوں نے اس کو پتوں سے ڈھک دیا۔ وہ خاموش بغیر ہلے ڈلے پڑا رہا۔

''مرگیا...... چلو ہم لوگ گھر میں...... بلو مرگیا۔'' پھر بھی وہ نہ ہلا۔ ہم لوگ واقعی گھر کے اندر آگئے، مگر جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے– وہ صوفے پر براجمان تھا۔ بچوں نے تالیاں بجائیں اور پھر کھیلنے لگا۔

اچانک وہ بیمار ہوگیا۔ اس کو دوائیں بھی دی گئیں مگر وہ اچھا نہ ہوا—اور ایک روز وہ خاموش ہوگیا!

ہمیشہ کے لیے!

آفتاب، اپو اور مونا نے لان کے ایک کونے میں بلو کو زمین کے حوالے کردیا۔ جہاں پھولوں کے بہت سارے پودے تھے۔!

آج بھی ان پودوں پر ڈھیر ساری تتلیاں بیٹھتی ہیں۔!!

■

Farzana Aslam
University Professor of Urdu,
Arvind Mahila College,
Qazipur, Patna-800004
Mob.: 9304696111

ندا تحریم

شام ہوگئی اب تو گھومنے چلو نہ پاپا
چلتے چلتے تھک گئی ہوں کندھے پر بیٹھا لو نہ پاپا
اندھیرے سے ڈر لگتا ہے سینے سے لگا لو نہ پاپا
ممی تو سوگئی
آپ ہی تھپکی دے کر سلاؤ نہ پاپا
اسکول تو پوری ہوگئی
اب کالج جانے دو نہ پاپا
پال پوس کر بڑا کیا
اب جدا تو مت کرو نہ پاپا
اب ڈولی میں بٹھا ہی دیا تو
آنسو تو مت بہاؤ نہ پاپا
آپ کی مسکراہٹ اچھی ہے
ایک بار مسکراؤ نہ پاپا
آپ نے میری ہر اک بات مانی
ایک بات اور مان جاؤ نہ پاپا
اس دھرتی پر 'بوجھ' نہیں میں
دنیا کو سمجھاؤں گی نہ پاپا
دنیا کو! سمجھاؤ نہ پاپا پلیز

■

Nida Tahreem Sajid Husain

عبدالمتین جامی

گیڈڑ کی موت

(اڑیسہ کی لوک کہانی)

ایک گیدڑ جنگل کے اندر سے گزر رہا تھا۔ اچانک ایک شیر سامنے آگیا۔ گیدڑ نے سوچا کہ اب اس کی خیر نہیں۔ یقیناً شیر اس کو مار ڈالے گا۔ شیر کے چنگل سے خود کو بچانے کے لیے اس نے چالاکی سے کہا 'مہاراج' مجھے اپنی پناہ میں لے لیجیے۔ میں آپ کا ہر حکم مانوں گا۔

شیر بہت اچھے موڈ میں تھا۔ گیدڑ کے بات کرنے کے انداز سے خوش ہو کر کہا: ٹھیک ہے۔ میں تجھ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تو میرے ساتھ چل، اگر میری بات مان کر چلے گا تو آرام سے رہے گا۔ گیدڑ نے اس کی بات کو سن کر اپنا سر جھکا کر بڑی انکساری سے کہا جو حکم مہاراج۔

شیر نے اس کو اپنی گپھا کے پاس لے جا کر کہا ''تو ہر روز اس پہاڑ پر چڑھ کر دیکھے گا کہ کون سا جانور جا رہا ہے۔ پھر میرے پاس آکر کہے گا ''شیر مہاراج کی جے ہو، پہاڑی کے پاس سے کون سا جانور جا رہا ہے۔ مہاراج کیا اس کا شکار کریں گے؟ اس کے بعد میں وہاں پہنچ کر جانور کا شکار کر کے پیٹ بھر کے کھا لوں گا، اس کے بعد بچا کھچا جو بھی رہے گا تو کھا کر اپنا پیٹ بھر لے گا۔

گیدڑ نے کہا، جو حکم مہاراج کا۔

دوسرے روز گیدڑ نے پہاڑی پر چڑھ کر دیکھا کہ ایک بھالو جا رہا ہے۔ گیدڑ نے شیر کے پاس آکر کہا۔ مہاراج کی جے ہو۔ پہاڑ کے نیچے سے ایک بھالو جا رہا ہے، کیا آپ اس کا شکار کریں گے؟

گیدڑ سے یہ خبر سن کر شیر بہت خوش ہو گیا اور پھر اس بھالو کا شکار کر کے مزے لے کر کھایا۔ باقی جو کچھ بچا گیدڑ نے سیر ہو کر کھایا۔

اس طرح گیدڑ کے دن خوب گزر رہے تھے۔ ہر روز الگ الگ جانوروں کا کچا گوشت کھا کھا کر گیدڑ موٹا اور فربہ ہونے لگا۔ وہ خود کو شیر کی طرح طاقت ور سمجھنے لگا۔ اس میں رفتہ رفتہ لالچ اور گھمنڈ بھی پیدا ہو گیا۔ اس کے دماغ میں یہ خیال گھر کر گیا کہ میں بھی تو وہی کام کر سکتا ہوں جو کام شیر کر رہا ہے۔ یعنی کہ میری فطرت بھی تو وہی ہے جو شیر کی ہے۔ وہ بھی گوشت خور جانور ہے اور میں بھی۔ تو پھر اس کے شکار کا

گوشت میں کیوں کھاؤں؟ کیوں میں اس کا جوٹھا روز کھاؤں؟ میں بھی تو ہاتھی جیسے بڑے جانور کا شکار کرسکتا ہوں۔ جس منتر کو سن کر شیر جانوروں کا شکار کرتا ہے میں بھی اس منتر کو سن کر شکار کرسکتا ہوں۔ بڑے بڑے ہاتھی، بھینس اور جنگلی گائے کا شکار میں خود بھی کرسکتا ہوں۔ یہی سوچتے سوچتے وہ شیر مہاراج کے پاس جاکر بولا، ''حضور، میں آپ کا جوٹھا کھا کھا کر بے زار ہوگیا ہوں۔ اب میں خود ہی شکار کرکے ہاتھی جیسے بڑے بڑے جانوروں کو مزے میں کھا سکتا ہوں۔

شیر نے کچھ دیر سوچ کر کہا، تو ہاتھی کا شکار نہیں کرسکے گا۔ اس لیے میں جس جانور کو شکار کرکے مار دیتا ہوں اس کو کھا کر خدا کا شکر ادا کر۔

مگر گیدڑ کو شیر کے نیک مشورے میں بھی کھوٹ نظر آئی۔ خوشامدانہ انداز میں گیدڑ نے کہا۔ نہیں حضور، مجھے ایک بار موقع دیجیے۔ ایک بار میں یہیں گپھا میں ٹھہروں گا۔ آپ پہاڑی پر چڑھ کر دیکھیں گے کہ کون سا جانور آرہا ہے۔ پھر ویسے ہی میری طرح پکاریں گے۔ گیدڑ مہاراج کی جے ہو۔ پہاڑ کے نیچے سے ہاتھی جا رہا ہے۔ آپ کی زبان سے یہ منتر سن کر میں ہاتھی کا شکار کرلوں گا۔

یہ بات سننے کے بعد شیر نے اس کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانا۔

اخیر میں شیر خود پہاڑ کے اوپر گیا اور دیکھا کہ ایک ہاتھی گزر رہا ہے۔ اس نے اونچی آواز میں اسی منتر کو دہرایا۔ یہ سن کر گیدڑ نے بڑے ہی کروفر سے آگے بڑھ کر ہاتھی کے سامنے پہنچ کر کہا'' ابھی فوراً اس کی گردن کو مروڑ کر اس کے جسم سے سر کو الگ کردیتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے جیسے ہی ہاتھی پر چھلانگ لگائی۔ ہاتھی نے اس کو اپنی سونڈ سے تھام کر نیچے پٹخ کر اپنے بھاری بھرکم پیر کے نیچے دبا دیا۔ اس کے بعد آرام سے جھولتے جھولتے آگے چلا گیا۔ اس طرح اس مورکھ گیدڑ کی موت اپنے کرتوت کی وجہ سے ہوگئی۔

■

Abdul Matin Jami
At-Urdu Bazar, PO: Padampur
Distt.: Cuttack - 754200 (Odisha)

آخری قسط

طوطا کہانی

مصنف: محسن خان

مصور: فخر الدین

رامانند جی کے ساتھ آئے ہوئے بچے نے جلدی سے پنجرے میں ہاتھ ڈال کر طوطے کو باہر نکالا اور انگلی پر بٹھا کر اس کا سر سہلانے لگا۔ طوطے نے سر جھکا کے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں آپ کا بہت آبھاری ہوں"۔ رامانند جی نے ہاتھ جوڑ کر دانش کے پاپا سے کہا۔

"مجھے شرمندہ نہ کیجیے" دانش کے پاپا نے کہا "بس آپ میری ایک گزارش قبول فرمالیں تو میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔

فرمایئے رامانند جی نے کہا۔

"دانش کے پاپا نے طوطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگوں کو بھی اس سے بڑا لگاؤ ہو گیا ہے۔ اس کے جانے سے ہمارا گھر سونا ہو جائے گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم لوگ آپ کے گھر آ کر کبھی کبھی اس سے مل لیا کریں"۔

"اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ رامانند جی نے کہا۔ وہ بھی آپ ہی کا گھر ہے آپ جب چاہیں اپنے پریوار کے ساتھ آ سکتے ہیں۔۔۔

" اور ہاں" رامانند جی کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ "جب آپ ہمارے گھر آئیں گے تو میں آپ کو
اپنے پتا جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی
اردو بھاشا کی پانڈولپی دکھاؤں گا پڑھ کر بتائیے گا کہ اس میں کیا لکھا ہے"۔

"جی میں ضرور آؤں گا"۔ دانش کے پاپا نے کہا۔

رامانند جی نے دانش کے پاپا سے ہاتھ ملایا اور طوطا لے کر اس بچے کے ساتھ چلے گئے۔

جب دانش اسکول سے آیا اور اسے پتا چلا کہ طوطا اب گھر میں نہیں ہے تو وہ اتنا رویا کہ اسے بخار آ گیا۔

دانش کے پاپا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ پرندے تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ میں بازار سے تمھارے لیے اس سے بھی بڑا اور خوبصورت طوطا لا دوں گا۔ مگر دانش کو تسلی نہیں ہوئی اسے تو بس اسی طوطے کی چاہت تھی۔ جو اس کا دوست بن گیا تھا اور اس کی انگلی پر بیٹھ کر مزے مزے کی باتیں کرتا تھا۔ دانش کے ممی اور پاپا کو بھی طوطے کے جانے کا بہت دکھ تھا۔ دانش کی ممی نے اس خیال سے پنجرا اسٹور میں چھپا کر رکھ دیا تھا کہ اسے دیکھ کر سب لوگوں کو طوطا یاد آئے گا۔ دادی ماں کا تو یہ حال تھا کہ اپنے آپ سے اس

کی باتیں کرتیں رہتی تھیں کبھی کبھی طوطے کے خیال سے ان کا دل اتنا بے قرار ہوجاتا کہ آنکھ میں آنسو آجاتے۔

دانش اسکول چلا جاتا، دانش کے پاپا آفس اور دانش کی ممی گھر کے کاموں میں مصروف ہوجاتیں۔ دادی ماں اپنے کمرے میں اکیلی رہ جاتیں اس وقت انھیں طوطا بہت یاد آتا۔ کبھی کبھی تو انھیں وہم ہوتا کہ جیسے طوطا انھیں پکار رہا ہو وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتیں مگر طوطا وہاں کہاں تھا جو انھیں دکھائی دیتا وہ تو خواب وخیال ہوکر رہ گیا تھا۔

کئی دن ہوچکے تھے سب یہی سوچ رہے تھے کہ ان کا چہیتا طوطا اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ایک دن شام کے وقت دروازے پر دستک ہوئی دانش کے پاپا نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ راما نند جی طوطے کا پنجرا پکڑے سامنے کھڑے ہیں۔ راما نند جی اپنی بات کے دھنی تھے۔ انھوں نے پنجرا دانش کے پاپا کے ہاتھ میں تھمایا اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ اسے آپ کے پاس چھوڑ کر جارہا ہوں۔ کل صبح آکر لے جاؤں گا۔

دانش کے گھر میں تو جیسے بہار آگئی۔ طوطے کا پنجرا دادی ماں کے پاس رکھا گیا اور سب اسے گھیر کر بیٹھ گئے دانش نے پنجرا کھول کر طوطے کو باہر نکالا اور اپنی انگلی پر بٹھانے کی کوشش کی تو وہ فرش پر کود گیا اور سر جھکا کے ادھر ادھر بھاگنے لگا

”یہ تو سب کو بھول گیا“ دادی ماں نے کہا۔

”ماحول بدلا ہے اس لیے پریشان ہو رہا ہے“ دانش کی ممی نے کہا۔

دانش نے اسے اٹھا کر ایک بار پھر انگلی پر بٹھایا اور اس کا سر سہلانے لگا طوطے کو قرار آ گیا اس نے سر جھکا کے آنکھیں بند کر لیں۔ دانش نے اپنا منہ طوطے کے کان کے قریب کر کے کہا! مٹھو میاں کیا سب کو بھول گئے دادی ماں کو بھی بھول گئے؟

طوطے نے ذرا ذرا آنکھیں کھولیں اور سر کو اوپر اٹھا کر نیچے کرتے ہوئے کہا دادی ماں۔

بس پھر کیا تھا قہقہے گونجنے لگے۔ گھر میں پہلی سی رونق آ گئی۔ طوطے نے خوب تماشے کیے سیٹیاں بجائیں ایسی آوازیں نکالیں جیسی آوازیں تانگے والے اپنے گھوڑوں کو روکنے کے لیے منہ سے نکالتے ہیں۔ اس نے دانش کا نام لیا ممی اور پاپا کو پکارا۔ دادی ماں کے سکھائے ہوئے کلمے اور دعائیں سنائیں۔ طوطے سے اتنی دیر تک باتیں کرنے اور اس کے تماشے دیکھنے سے سب کے دلوں کو قرار آ گیا۔ خاص طور پر دادی ماں اس خیال سے بہت خوش تھیں کہ جو کلمے اور دعائیں انہوں نے سکھائیں تھیں طوطے کو سب کی سب یاد تھیں۔

مصنف: جولز ورنے
مترجم:شکیل صدیقی

قسط وار ناول

آخری قسط

زمین کی تہہ میں

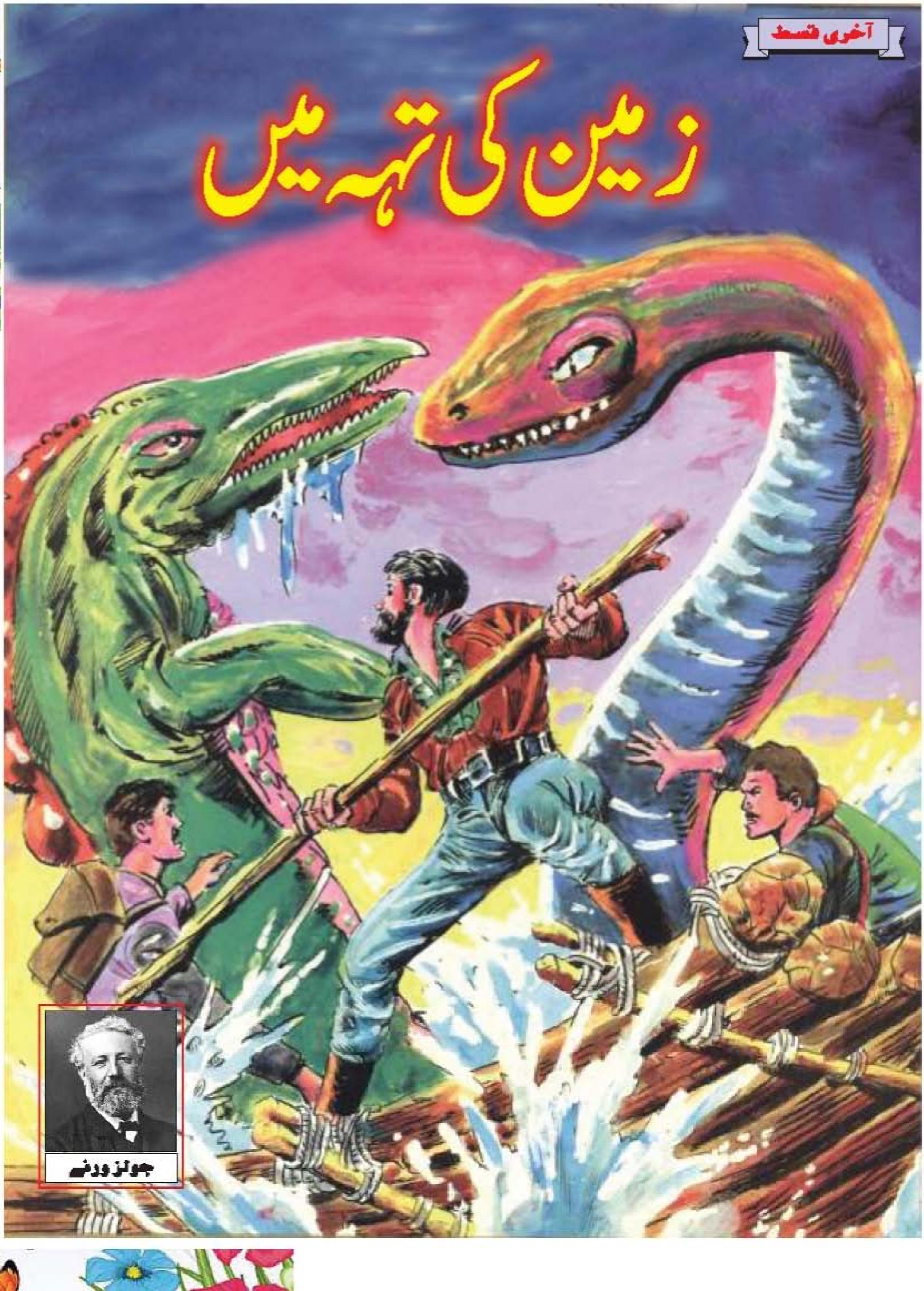
جولز ورنے

اب تک آپ نے پڑھا کہ پروفیسر لائڈین بروک معدنیات وارضیات کے ماہر تھے۔ وہ بہت قابل شخص تھے اور علاقے میں ان کی کافی عزت تھی۔ ایک دن انھیں سات سو سال پرانی کتاب ہاتھ لگی جو آئس لینڈ کی زبان میں تھی۔ پروفیسر بروک اپنے بھتیجے کے ساتھ رہتے تھے۔ چچا بھتیجے نے اس کتاب کی تحریر سمجھنے کی کوشش کی۔ بہت مشکل سے بس وہ کچھ الفاظ ہی سمجھ پائے۔ پروفیسر لائیڈن بروک کہیں چلے جاتے ہیں اور ادھر بھتیجہ اس تحریر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے ہوئے بھی پروفیسر کو بتادیتا ہے کیونکہ اس میں ایک خطرناک سفر پر جانے کی بات تھی۔ تحریر کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد پروفیسر نے سفر پر جانے کی ٹھان لی۔ بھتیجہ (البرٹ) نہیں چاہتے ہوئے بھی تیار ہوگیا۔ آخرکار دو دن بعد لائیڈن بروک اور البرٹ اِس خطرناک سفر پر نکل گئے۔ سفر کے لیے انھیں کوپن ہیگن پہنچنا تھا اور وہاں سے آئس لینڈ۔ آئس لینڈ پہنچنے کے بعد ایک رات آرام کیا اور پھر دوسرے دن صبح وہاں کے مشہور آتش فشاں سینی فلز کا سفر شروع کیا۔ سینی فلز پانچ ہزار فٹ بلند پہاڑ تھا۔ کئی طوفان اور دیگر پریشانیوں کا سامنا کرتے ہوئے چچا بھتیجے سینی فلز کی چوٹی پر پہنچتے ہیں۔ چوٹی سے اب آتش فشاں کے اندر اترنے کا خطرناک سفر شروع ہوا۔ دونوں لوگ سنبھل سنبھل کر زمین کی تہہ میں اترنے لگے۔ کئی گھنٹوں کی مشقت کے بعد دونوں تقریباً دس ہزار فٹ نیچے پہنچتے ہیں جہاں انھیں ایک عجیب وغریب منظر دکھائی دیتا ہے۔ آتش فشاں کے لاوے بکھرے پڑے تھے اور ان سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے دونوں ایک سرنگ میں داخل ہوئے اور سات گھنٹے کے سفر کے بعد وہ کھلی جگہ میں پہنچے۔ اب دونوں کے پاس پینے کا پانی بھی ختم ہونے والا تھا۔ سفر ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اور پریشانیاں بڑھتی جارہی تھیں۔ چٹانوں سے گزرتے ہوئے وہ سب ایک سرنگ میں پہنچے۔ سرنگ سے آگے انھیں کوئلے کی ایک کان ملتی ہے۔ کان میں آگے راستہ بند تھا اس لیے واپس لوٹے، جب تک پینے کا پانی ختم ہوچکا تھا۔ پروفیسر واپس جانے کو تیار نہیں تھے جبکہ البرٹ اور ہانس کو اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ کوئلے کی کان کے بعد تانبے اور ابرق کی کانوں سے گزرتے ہوئے دو دن اور بیت گئے۔ سارے لوگ نڈھال ہوچکے تھے۔ اس درمیان ایک دریا میں پانی بہنے کی آواز آتی ہے۔ بڑی مشکل سے چٹان توڑ کر ہانس نے پانی پینا چاہا لیکن یہ دریا گرم پانی کا تھا۔ بعد میں البرٹ پروفیسر سے بچھڑ جاتا ہے اور گرینائٹ کی چٹانوں پر پہنچ جاتا ہے۔ البرٹ کی لالٹین بھی بجھ چکی تھی اور گہرا اندھیرا تھا۔ اچانک البرٹ نیچے گرنے لگتا ہے۔ جب البرٹ کو ہوش آتا ہے تو اسے دور سے چچا اور ہانس کی آواز آتی ہے جو اُسے ہی تلاش کررہے تھے۔ سب لوگ دو دن آرام کرتے ہیں۔ پروفیسر نے کہا کہ اب تیار ہوجاؤ، سمندری سفر پر چلنا ہے۔ ہانس نے آس پاس کے درختوں کی لکڑیوں سے ایک بیڑا تیار کیا اور وہ سب لوگ اُس بیڑے میں بیٹھ کر اس عجیب وغریب سمندر میں اتر گئے جو زمین سے اٹھاسی میل نیچے تھا۔ چچا بھتیجے نے مچھلی پکڑ کر بھوک مٹائی۔ 24 گھنٹے گزر چکے تھے۔ لیکن دوسرا کنارہ اب تک نظر نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر بعد سمندر میں وھیل جیسا عجیب وغریب جانور دکھائی دیتا ہے پھر ایک دوسرا جانور پیلیسورس نظر آیا اور ان دونوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ سات دنوں کے بعد بیڑہ ایک جزیرے پر پہنچتا ہے۔ جزیرے پر کچھ وقت گزار کر پھر سے سمندری سفر پر روانہ ہوگئے۔ سمندری لہروں نے انھیں ساحل پر اچھال دیا۔ یہاں آکر پروفیسر نے اندازہ لگایا کہ اب تک وہ چھ سو پچھتر میل سفر کرچکے ہیں اور آئس لینڈ سے ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر تھے۔ ساحل پر وہ سب ٹہلنے نکلتے ہیں۔ انھیں انسانی ڈھانچہ کھوپڑی ملتی ہے۔ کچھ آگے بڑھنے پر وہ ایک جنگل میں پہنچتے ہیں جہاں انھیں ہاتھی نما جانور نظر آیا۔ کچھ آگے بڑھنے پر انھیں بارہ فٹ لمبا دیو جیسا انسان ملا۔ وہ اس کی نظر میں آئے بغیر آگے بڑھ گئے۔ آگے انھیں ایک چاقو ملتا ہے اور پتھر پر اے۔ ایس کھدا ملتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ پہلے یہاں آرنی سیکسنم سیاح آچکا تھا۔ اب وہ سب واپس زمین پر آنے کی تیاری کرنے لگے۔ سرنگ میں چٹان کے گرنے سے راستہ بند تھا جسے کھولنے کی کوشش شروع کردی گئی۔ بارود سے اڑا کر سرنگ میں راستہ بنایا گیا اور سب لوگ بیڑے میں بیٹھ کر اس سرنگ میں سفر کرنے لگے۔ یہ بیڑہ بہت تیزی سے اوپر جارہا تھا۔ کھانے پینے کے سامان ختم ہوچکے تھے۔ اچانک سب نے بہت تیز گرمی محسوس کی اور سب نے ابلتے ہوئے پانی کا احساس کیا۔ ایسی حالت میں سب کے ہوش اڑ گئے۔ اب آگے

آتش فشاں کا پھٹنا

جی ہاں، قطب نما دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس کی سوئی تیزی سے چاروں طرف گھوم رہی تھی اور کوئی ایک خاص سمت نہیں بتا رہی تھی اور صرف یہی نہیں تھا، زوردار دھماکے بھی ہو رہے تھے، مسلسل اور کان پھاڑ دینے والے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوفان آ گیا ہو۔

میرا خیال درست تھا۔ سرنگ پھٹنے والی تھی اور اس کا لاوا ہمیں جلا کر راکھ کر دینے والا تھا۔

"چچا جان، چچا جان۔" میں چیخا۔ "ہم لوگ ختم ہونے والے ہیں۔"

"اب کیا ہوگا؟" انھوں نے سکون سے کہا۔

"کیا ہوگا؟ ان لرزتی دیواروں کی طرف دیکھیے۔ یہ گرمی اور یہ ابلتا ہوا پانی، یہ دیوانہ قطب نما۔ کیا یہ زلزلے کی علامتیں نہیں ہیں؟"

چچا نے انکار میں اپنے سر کو ہلایا۔

"زلزلہ؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہاں!"

"میرے بچے، میرا خیال ہے کہ تمھاری طبیعت صحیح نہیں ہے۔"

"کیا! آپ ان علامتوں کو نہیں پہچان رہے؟"

"زلزلے کی؟ نہیں مجھے اس سے بھی کوئی اچھی توقع ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"البرٹ یہ پھٹنے والا ہے۔"

"پھٹنے والا ہے؟ کیا آپ کا مطلب ہے کہ ہم ایک متحرک آتش فشاں میں ہیں؟"

"ہاں یہی میرا مطلب ہے۔" پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔ "اور میں خوش ہوں۔"

خوش ہیں! کیا میرے چچا بھی دیوانے ہو چکے تھے؟

"کیا؟" میں نے کہا۔ "یہ آتش فشاں پھٹنے والا ہے اور ہم اس کے بیچ میں ہیں؟" ہم لاوے اور ابلتے پانی کے راستے میں ہیں؟ جب یہ پھٹے گا تو ہم گرم چٹانوں اور شعلوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے باہر فضا میں نکلیں گے اور آپ اس پر خوش ہیں؟"

"ہاں۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ سطح پر واپس جانے کا یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے۔"

وہ درست کہہ رہے تھے، یقیناً بالکل درست۔ اور اب جب کہ اس آتش فشاں کے پھٹنے کا امکان تھا وہ بہت بہادر لگ رہے تھے۔

ہم مسلسل اوپر جا رہے تھے۔ رات ہو چکی تھی اور ہم اوپر جا رہے تھے، اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے آنے والی آوازوں کا شور بڑھ رہا تھا۔ ہم یقیناً کسی آتش فشاں میں تھے، مگر اس وقت ہم سینی فلز جیسے مردہ کے بجائے کسی زندہ متحرک آتش فشاں میں تھے۔ ہمارے بیڑے کے نیچے ابلتا ہوا پانی تھا اور اس کے نیچے لاوا اور چٹانیں تھیں جو آتش فشاں کے پھٹنے پر دہانے سے ہر سمت میں نکلنے والی تھیں۔ ہم مرنے والے تھے۔ اس کے باوجود مجھے تجسس تھا کہ ہم دنیا کے کس حصے سے باہر آئیں گے۔ مجھے یقین تھا کہ یہ شمال میں کوئی جگہ ہوگی۔ قطب نما جب تک بیکار نہیں ہوا تھا، مسلسل یہ ظاہر کر رہا تھا کہ ہم شمال کی طرف جا رہے ہیں۔ کیپ آرنی سے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے شمال میں آ چکے تھے۔ کیا ہم اس وقت دوبارہ آئس لینڈ کے نیچے تھے؟ کیا ہم اس کے آٹھ آتش فشانوں میں سے کسی ایک سے باہر آ جائیں گے؟

صبح کے وقت ہم انتہائی تیزی سے اوپر جا رہے تھے۔ دونوں طرف کی گہری گہری سرنگوں سے مجھے بھاپ اور شعلے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔

"دیکھیں..... چچا جان دیکھیں" میں نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم اس میں پھنس گئے تو؟"

"ہم پھنس نہیں سکتے۔ اس لیے کہ پہاڑ کا دہانہ کشادہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"اور وہ جو پانی اوپر اٹھ رہا ہے؟"

"وہ پانی نہیں ہے البرٹ۔ یہ لاوا ہے، پتلا پتلا لاوا جو ہمیں اوپر لے جا رہا ہے۔"

میں نے غور کیا تو ان کی بات درست لگی۔ وہ پانی نہیں ابلتا ہوا لاوا تھا جو ہمیں آتش فشاں کے دہانے کی طرف لے جا رہا تھا۔ اب درجۂ حرارت یقیناً ستر درجہ سنٹی گریڈ تھا۔

صبح آٹھ بجے کے قریب ایک نئی بات ہوئی۔ بیڑا اوپر چڑھنا بند ہو گیا اور ایک جگہ ساکت ہو گیا۔ لاوا بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر رہا تھا۔

"کیا یہ پھٹنا بند ہو گیا؟" میں نے چلا کر پوچھا۔

"آہ میرے بچے۔" میرے چچا بولے۔ "تمھیں اندیشہ ہے کہ اس کا ابلنا بند ہو گیا ہے، مگر فکر مند نہ ہو ہم جلد ہی اوپر کی طرف دوبارہ حرکت کرنا شروع کر دیں گے۔"

پروفیسر نے گفتگو کے دوران اپنے کرونومیٹر کی طرف دیکھا۔ ایک بار انھوں نے پھر خود کو صحیح ثابت کر دیا تھا۔ بیڑا تیزی سے اوپر اٹھا اور پھر دو منٹ بعد ٹھہر گیا۔

"ٹھیک ہے۔" میرے چچا نے کہا "دس منٹ بعد یہ پھر اوپر جانا شروع ہوگا۔ یہ آتش فشاں ٹھہر ٹھہر کر ابل رہا ہے۔ اس کے ہر وقفے پر ہم اپنا سانس درست کر سکیں گے۔"

میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ عمل کتنی بار پیش آئے گا۔ بہر حال چند منٹ بعد بیڑا اتنی طاقت کے ساتھ اوپر جائے گا کہ دہکتی ہوئی ہوا میرا سانس روک دے گی۔ پھر دس منٹ کے لیے یہ عمل رک جائے گا اور بے انتہا گرمی سے ہمارا دم گھٹ جائے گا۔

میں نے سوچا اگر ہم آتش فشاں سے نکل کر اچانک برف پر جا پڑیں تو یہ کتنا خوش گوار ہوگا۔ میں نے تصور میں خود کو قطب شمالی کی برف کے قالین پر لڑھکتے پایا۔ میں اب تک کئی مرتبہ پہلو کی دیواروں سے ٹکرا چکا تھا۔ اگر ہانس ہاتھ سے سہارا دے کر مجھے نہ بچا لیتا تو میں شدید زخمی ہو جاتا۔

آئندہ چند گھنٹوں میں مجھے صرف مسلسل دھماکے، حرکت

کرتی ہوئی چٹانیں یا تیزی سے گھومتا ہوا بیڑا یاد رہا۔ وہ لاوے کی لہروں پر چکرا رہا تھا اور اس کے چاروں طرف شعلے ناچ رہے تھے۔ کوئی طوفان اس زیرِ زمین شعلوں کو ہوا دے رہا تھا۔

آخری بار میں نے ہانس کا چہرہ شعلوں میں گھرا دیکھا۔ اس کے بعد پھر آخری ہولناک دھماکا ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری حالت اس شخص کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے توپ کے دہانے کے سامنے کھڑا کر دیا گیا ہو، جب کہ توپ چلنے والی ہو!

جب میں نے اپنی آنکھیں دوبارہ کھولیں تو میں نے خود کو پہاڑ کی ڈھلان پر پڑے پایا۔ ہانس کے طاقتور ہاتھوں نے مضبوطی سے مجھے تھام رکھا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے میرے چچا کو سہارا دے رکھا تھا۔ مجھے کوئی گہری چوٹ نہیں آئی تھی البتہ میرے سارے بدن پر خراشیں پڑ گئی تھیں۔

''ہم کہاں ہیں؟'' میرے چچا نے پوچھا جو زمین کی سطح پر اچانک پہنچنے پر حیران رہ گئے تھے۔

''آئس لینڈ میں۔'' میں نے کہا۔

''کیا؟'' آئس لینڈ میں۔ نہیں'' چچا چلائے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سفر کے دوران پیش آنے والے حیرت ناک واقعات میں یہ ایک اور واقعہ تھا۔ مجھے توقع تھی کہ ہم آتش فشاں سے نکل کر کسی پہاڑ کی برفانی چوٹی پر کھڑے ہوں گے، مگر چچا ہانس اور میں ایک پہاڑ کے آدھے راستے پر پڑے تھے اور سورج کی گرم شعاعیں ہمارے جسموں کو جھلسا رہی تھیں۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ کم از کم مجھے آئس لینڈ قبول تھا، اس کے سوا میں کچھ نہیں چاہتا تھا۔ سب سے پہلے پروفیسر بولے:

''یقیناً یہ آئس لینڈ جیسا نہیں لگ رہا ہے۔ یہ شمالی علاقوں کا کوئی آتش فشاں نہیں ہے، جس کی چوٹی پر برف جمی ہوتی ہے۔''

''یہ اس جیسا.....''

''دیکھو البرٹ، دیکھو!'' وہ بولے۔

ہمارے سروں کے اوپر، کوئی پانچ سو فیٹ کی بلندی پر ایک آتش فشاں ہر پندرہ منٹ بعد لاوا اُگل رہا تھا اور ہم سے نیچے تقریباً آٹھ سو فیٹ تک لاوا پھیلا ہوا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں زیتون کے درخت اور انگور کی بیلیں تھیں، جن پر انگور تھے۔

مجھے ماننا پڑا کہ یہ برفانی علاقہ نہیں ہے۔ میں نے چاروں طرف نگاہ ڈال کر جائزہ لیا تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم کبھی جادو نگری میں کھڑے ہیں جو کسی سمندر کے کنارے آباد ہیں۔ شوق کی طرف ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی جہاں چند مکانات تھے اور کچھ عجیب قسم کے بحری جہاز سمندر میں کھڑے تھے۔ کافی فاصلے پر چند جزیرے، پھر چند اور پہاڑ تھے۔ شمال کی طرف پانی کی ایک لمبی چوڑی چادر سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی۔

وہ منظر خوب صورت تھا اور مجھے کچھ زیادہ ہی خوبصورت لگ رہا تھا اس لیے کہ وہ غیر متوقع طور پر سامنے آ گیا تھا۔

''ہم کہاں؟ ہم کہاں ہیں؟'' میں بار بار پوچھ رہا تھا۔

ہانس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''ہم جہاں کہیں بھی ہیں۔'' میرے چچا نے کہا۔ ''یہ جگہ بڑی حد تک گرم ہے اور اس آتش فشاں سے مسلسل لاوا بہہ رہا ہے۔ یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ہم اس کے دہانے سے سلامتی سے نکل آئے۔ آؤ نیچے چلیں، کیونکہ بھوک اور پیاس سے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔

میں اس حسین نظارے کی وجہ سے گھنٹوں کھڑا رہ سکتا تھا مگر مجھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانا تھا۔ میں نے چند قدم

بڑھائے تو معلوم ہوا کہ اس پہاڑ کی ڈھلانیں عمودی ہیں۔"

"ہم ایشیا میں ہیں۔" میں چلایا۔ "لازماً ہندوستان کے ساحلی علاقے یا ملایا میں۔"

"اور قطب نما کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟" چچا جان نے بات کاٹی۔

"ہاں یقیناً قطب نما۔" میں نے تذبذب سے کہا۔ "قطب نما کے مطابق ہم ہمیشہ سے شمال کی طرف سفر کر رہے تھے۔"

"تو کیا وہ غلط بتا رہا تھا؟"

"غلط؟ نہیں وہ غلط کیسے بتا سکتا ہے؟"

"تو پھر یہ قطب شمالی ہے۔"

"قطب؟ نہیں مگر......"

یہ معاملہ کچھ پراسرار ہو گیا تھا اور میں ٹھیک طرح سے اس پر سوچ نہیں پا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔

دو گھنٹے تک چلنے کے بعد ہم خوش قسمتی سے ایک پیاری سی جگہ پر پہنچ گئے، جہاں پھلوں کے بہت سے درخت تھے۔ ارغوانی رنگ کے انگوروں کے گچھے کھا کر تازہ پانی پینے کے بعد جو لطف آیا وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ درختوں کے درمیان سے ایک چھوٹا سا لڑکا نکل آیا جس کے بدن پر چیتھڑے تھے۔ تین برہنہ لوگوں کو جن کا شیو بڑھا ہوا تھا اور جو نصف برہنہ تھے، دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گیا اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ ہانس نے اسے دوڑ کر پکڑ لیا۔ لڑکے نے چیخنا چلانا اور ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیے، مگر ہانس نے اس کی پروا نہیں کی۔

"اس پہاڑ کا نام کیا ہے؟" میرے چچا نے ملائمت سے جرمنی میں پوچھا۔

بچے نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"خوب! چچا بولے۔" اس کا مطلب ہے کہ ہم جرمنی میں نہیں ہیں۔"

پھر انھوں نے یہی سوال انگریزی میں کیا۔

بچے نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا یہ لڑکا گونگا ہے؟" "پروفیسر چیخے۔ اپنی زبان دانی پر انھیں فخر تھا۔ لہٰذا انھوں نے یہی سوال فرانسیسی میں کیا۔

بچے کی زبان پر وہی خاموشی چھائی رہی۔

"اٹالین میں کوشش کرتے ہیں۔" چچا نے کہا اور اٹلی کی زبان میں اپنا سوال دہرایا۔

"اس پہاڑ کا نام کیا ہے؟"

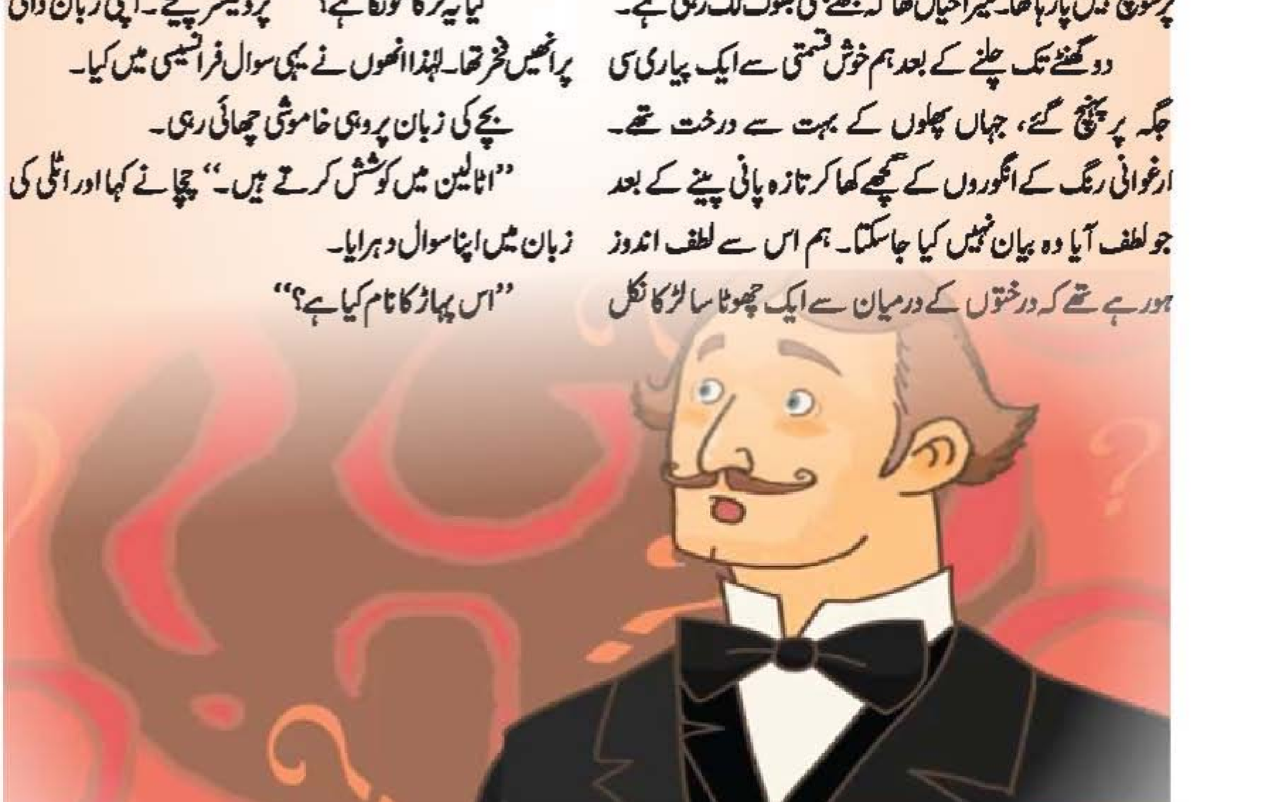

"اسٹرامبولی۔" چرواہے لڑکے نے کہا اور ہانس کی گرفت چھڑا کر درختوں کی طرف بھاگ گیا۔

اسٹرامبولی! اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بحرروم کے بیچ میں تھے!

"اسٹرامبولی!" چچا بھی چلائے۔

"اوہ کیا، سفر تھا! کتنا حیرت ناک! ہم ایک آتش فشاں میں داخل ہوئے اور تین ہزار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دوسرے سے نکل آئے۔ ہم نے سنیفلز کے بدلے اسٹرامبولی اور آئس لینڈ کی خاکستری دھند کے بدلے نیلا آسمان لے لیا تھا۔

ہم بندرگاہ کی طرف بڑھنے لگے تو راستے میں، میں نے چچا جان کو بڑبڑاتے سنا۔ "مگر قطب نما! قطب نما! وہ تو شمال کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس کا کیا مطلب تھا؟"

"اس کا مطلب نکالنے یا اس کی وضاحت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے کہا۔

"کیوں؟ یہ تو انتہائی نامناسب بات ہوگی کہ جوہانیم کا پروفیسر اس کی وضاحت نہ کر سکے۔"

جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے تو نصف برہنہ سہی مگر اپنی ناک پر چشمہ درست کرتے ہوئے پھر سے معدنیات کے خوف زدہ پروفیسر بن چکے تھے۔

ایک گھنٹے بعد ہم سان ویکنزو کی بندرگاہ پر پہنچ چکے تھے جہاں ہانس نے اپنے تیرہ ہفتوں کی اجرت طلب کی۔ میرے چچا نے اسے رقم ادا کی اور پھر ہم دونوں نے اس سے مصافحہ کیا۔

گھر کو واپسی

اگر ہم اسٹرامبولی کے ماہی گیروں کو سچ سچ بتا دیتے تو وہ خوف زدہ ہو جاتے، اس لیے ہم نے انھیں بتایا کہ ہمارے جہاز کو حادثہ پیش آگیا تھا۔ وہ ہم سے مہربانی سے پیش آئے، انھوں نے ہمیں کھانا اور کپڑے دیے۔ پھر اکتیس اگست کو ایک چھوٹی کشتی ہمیں سسلی کے مقام میسینا لے گئی۔

یہاں ہم نے جمعہ چار ستمبر تک آرام کیا۔ پھر ہم ایک فرانسیسی کشتی سے مارسلز گئے۔ اس وقت ہمیں ایک بات الجھن میں ڈال رہی تھی کہ قطب نما نے شمال کی طرف اشارہ کیوں کیا تھا۔ میں اس الجھن میں ہمبرگ تک مبتلا رہا جہاں ہم نو ستمبر کی شام کو پہنچے تھے۔

میں اسے بیان نہیں کر سکتا کہ ہماری واپسی پر مارتھا اور جولی کتنی خوش ہوئیں۔

"تم ہیرو بن چکے ہو۔" جولی نے کہا۔ "اور اب مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔" وہ مسکرا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح جھلملا رہے تھے۔

ہمبرگ میں پروفیسر بروک کی واپسی سے خوشی پھیل گئی۔ مارتھا کا شکریہ کہ اس نے ساری دنیا کو اس سے آگاہ کیا کہ ہم دنیا کے مرکز تک گئے تھے۔ لوگوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور جب ہم لوگ واپس آئے تب بھی وہ اس بات کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ جب انھوں نے ہانس کو دیکھا اور اس کی زبانی سفر کے حالات سنے تو ان کے خیالات میں تبدیلی آئی۔

میرے چچا بڑے آدمی بن گئے اور میں ایک بڑے آدمی کا بھتیجا۔

ہمبرگ کے لوگوں نے ان کے اعزاز میں ایک ڈنر دیا۔ جوناہم پر ایک پبلک میٹنگ ہوئی جس میں پروفیسر نے اپنے سفر کی داستان سنائی مگر قطب نما کی پراسراریت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ انھوں نے آرنی کی وہ تحریر جو چمڑے پر تھی شہر والوں کے حوالے کر دی اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ وہ زمین کے مرکز تک اس کے بتائے ہوئے راستے پر نہ جا سکے۔

انھوں نے دنیا کے سارے سائنس دانوں کے سامنے اپنے اس نظریے کا دفاع کیا کہ جیسے جیسے ہم مرکز تک بڑھتے ہیں تو ٹھنڈک میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، مگر جہاں تک میرا یقین ہے تو میں ان سے متفق نہ ہوسکا۔ ہم نے جو کچھ دیکھا تھا مجھے اس پر یقین تھا اور اب بھی یقین ہے کہ زمین کے مرکز کی طرف بڑھنے پر ہمیں شدید گرمی اور حدت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہانس اب ہم سے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ آدمی جس نے کئی مرتبہ ہماری جانیں بچائی تھیں مزید ہمارا مہمان نہیں رہنا چاہتا تھا۔ آئس لینڈ واپس جانا چاہتا تھا، جہاں کا وہ باشندہ تھا۔

''اللہ حافظ'' اس نے ایک دن کہا اور ریکیاوک واپس چلا گیا۔ ہم اپنے اس شکاری کو کبھی نہیں بھولیں گے اور مجھے یقیناً یہ آرزو رہے گی کہ اس سے دوبارہ پھر کبھی ملاقات ہو۔

میرا یہ سفرنامہ 'زمین کی تہہ میں' دنیا بھر میں مشہور ہوا۔ اس کا دنیا کی ساری زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اس کی مخالفت اور حمایت میں اخبارات میں خوب بحثیں ہوئیں۔ چچا جان کو ان کی زندگی ہی میں بہت شہرت ملی۔

مگر ایک بات ان کو پریشان کرتی رہی وہ یہ کہ ان کی سمجھ میں قطب نما کی پراسراریت نہیں آئی۔ کسی بھی سائنس داں کے لیے کوئی ایسی بات جس کی وضاحت نہ ہوسکے ہمیشہ الجھن کا باعث رہتی ہے۔

ہماری دلچسپی کے چھ مہینے بعد ایک دن جب کہ میں پروفیسر کی اسٹڈی معدنیات کے نمونوں کو ترتیب سے رکھ رہا تھا تو میں نے اس مخصوص قطب نما کو ایک گوشے میں پڑا دیکھا۔ میں حیرت سے چیخ پڑا۔

پروفیسر بروک دوڑ کر اندر آئے۔

''کیا بات ہے؟'' انھوں نے پوچھا۔

''قطب نما!''

''کیا ہوا ہے؟''

''شمال کی بجائے اس کی سوئی جنوب کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔''

چچا نے اس قطب نما کا دوسرے قطب نما سے موازنہ کیا پھر خوش ہو کر ایک زوردار چیخ ماری جس سے سارا گھر ہل کر رہ گیا۔ اس کا بھید کھل گیا تھا۔

''تو جب ہم کیپ آرنی پہنچے تھے تو اس قطب نما کی سوئی شمال کی بجائے جنوب کی طرف اشارہ کرنے لگی تھی؟''

''جی ہاں۔''

''اس سے ہماری غلطی ظاہر ہوتی ہے، مگر ایسا کیسے ہوا؟''

''بہت آسان بات ہے۔''

''وضاحت کرو میرے بچے۔''

''بحیرۂ بروک میں طوفان کے دوران وہ آگ کا گولہ جو ہمارے بیڑے میں آ گیا تھا اس نے ساری فولادی چیزوں کو مقناطیسی بنا دیا تھا۔ وہ قطب نما پر بھی اثرانداز ہوا اور اس نے اس کی سوئیوں کی سمت کو الٹ دیا۔''

''ہاہاہا۔'' پروفیسر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ''گویا یہ ایک عملی مذاق تھا جو بجلی نے ہمارے ساتھ کھیلا۔''

اس دن کے بعد سے چچا جان بہت خوش رہنے لگے، اس لیے کہ ان کی ایک بڑی الجھن دور ہوگئی تھی۔ مجھے بھی ایک خوشی حاصل ہوئی۔ میری شادی جولی سے ہوگئی اور وہ میرے ساتھ کنگس اسٹریٹ کے مکان میں منتقل ہوگئی۔

■

ماخذ: زمین کی تہہ میں (جولز ورنے کے ناول کا ترجمہ)، مترجم: شکیل صدیقی، ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، اشتراک: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سلمیٰ یوسف حسین

آئس کریم کی کہانی

گھر میں داخل ہوتے ہی بچوں نے یلغار کی۔ چاچو آئس کریم۔ چاچو آئس کریم۔ ارے بھئی تمھاری آئس کریم سے پہلے چاچو ایک پیالی چائے تو پی لیں۔ بچوں نے خاموشی سے سر ہلایا اور چاچو کو چائے پینے کی اجازت دے دی۔ چاچو نے چائے پیتے پیتے بچوں سے کہا۔ جانتے ہو آئس کریم کیسے ایجاد ہوئی اور ہم تک کیسے پہنچی۔ بچوں نے نہیں میں سر ہلایا۔ تو سنو:

تیرھویں صدی میں جب مارکو پولو جو وینس کا سیاح تھا چین گیا تو شاہی دعوت میں اسے آئس کریم کھانے کا اتفاق ہوا۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے آئس بنانے کا نسخہ حاصل کیا اور فرانس کے بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔ بادشاہ آئس کریم کھا کر بڑا خوش ہوا اور اسے شاہی تحفے کا نام دیا۔

1685 میں فرانس کی شہزادی کی شادی انگلینڈ کے شہزادے چارلس ہول کے ساتھ طے پائی۔ شہزادی فرانس سے آئس کریم بنانے والے ملازم اپنے ساتھ لے آئی اور آئس کریم انگلینڈ کے شاہی محل میں بننے لگی۔ چارلس اول نے آئس کریم بنانے والے ملازم پر پابندی لگائی کہ وہ آئس کریم کا نسخہ کسی کو نہیں دے گا لیکن ملازم نے لالچ میں آکر وہ نسخہ فروخت کر دیا مگر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

آئس کریم کو پہلے 'بٹر آئس' کہتے تھے لیکن امریکہ نے اسے 'آئس کریم' کا نام دیا۔ 1797 میں امریکہ کے اخباروں میں آئس کریم کی فروخت کے اشتہارات اخباروں میں شائع ہوئے اور اس طرح آئس کریم کا کاروبار امریکہ سے شروع ہوا، پہلے آئس کریم ہاتھ کی مشین سے بنائی جاتی تھی۔

ایک دفعہ امریکہ کے ایک شہر سینٹ لوئس میں ایک آئس کریم کی دکان میں آئس کریم رکھنے والی طشتریاں کم ہو گئیں۔ دکاندار نے حاضر دماغی سے کام لیا۔ پڑوس میں لگی نانبائی کی دکان سے میٹھی روٹیاں لے کر نوکدار بنایا اور آئس کریم بھر کر گاہکوں کو خوش کیا۔ اس طرح آئس کریم کو 'کون' میں دینے کا چلن شروع ہوا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

ہندستان میں آئس کریم پہلے پہل قلفی کی شکل میں رائج ہوئی۔ اکبر بادشاہ قلفی کا شوقین تھا اور قلفی اس کے شاہی باورچی خانے میں بنائی جاتی تھی۔ دلی میں قلفی آج بھی بڑے شوق سے کھائی جاتی ہے۔

وقت کے ساتھ آئس کریم نے ہندستان میں اپنی جگہ بنائی اور بڑی بڑی کمپنیوں نے آئس کریم بنانے کا کام شروع کیا۔ آج گرمیوں کا موسم شروع ہوتے ہی آئس کریم کی گاڑیوں کی قطار لگ جاتی ہے۔ ہر ہر طرح کی آئس کریم میسر ہے۔ نہ صرف گاڑیاں بلکہ آئس کریم کی دکانیں بھی گاہکوں کی منتظر ہوتی ہیں۔

یہ تھی آئس کریم کی کہانی اب بتاؤ آئس کریم کہاں کھاؤ گے۔ دکان پر یا گاڑیوں سے لے کر۔

بچے ایک آواز میں چلائے۔ گاڑیوں سے لے کر۔

■

Salma Yusuf Hussain
E-52, Seen City, Sect. 54
Gurgaon - 122002 (Haryana)
Salma-husain.2000@yahoo.com

چمن چمن کے پھول

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
وقت آنے پر بتادیں گے تجھے اے آسماں
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے

بسمل عظیم آبادی

نہ گھبراؤ مسلمانو! خدا کی شان باقی ہے
ابھی اسلام زندہ ہے ابھی قرآن باقی ہے

نامعلوم

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

سکندر علی وجد

میں نور بن کے زمانے میں پھیل جاؤں گا
تم آفتاب میں کیڑے نکالتے رہنا

راحت اندوری

یہ بزم مے ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

شاد عظیم آبادی

انھیں پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

مصطفیٰ زیدی

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے

ابوالمجاہد زاہد

جھک کے جو آپ سے ملتا ہوگا
اس کا قد آپ سے اونچا ہوگا

احمد ندیم قاسمی

کیا بجھائیں گی ہوائیں تیری عظمت کے چراغ
تونے پانی پہ جلائے ہیں شجاعت کے چراغ

نواب سرسوی

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی، کیا آسماں بنایا

اسماعیل میرٹھی

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

حیرت الہ آبادی

بجھ رہے ہیں چراغِ دیر و حرم
دل جلاؤ کہ روشنی کم ہے

سیماب قزلباش

آدمی بلبلہ ہے پانی کا
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا

امام بخش رضا تھانیسری

■

ماخذ: باغِ سخن، مولف: ڈاکٹر الف انصاری

محمد سفیان غفار شیخ

صبر کا پھل

اللہ کا ایک بندہ کسی دور دراز بستی میں رہا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک مرغا، ایک گدھا اور ایک کتا تھا۔ مرغا صبح کی نماز کے لیے جگاتا تھا۔ گدھے پر وہ پانی اور دیگر چیزیں لاد کر لاتا اور کتا اس کے مکان و سامان کی رکھوالی کرتا۔

ایک دن مرغے کو لومڑی کھا گئی۔ گھر کے افراد اس نقصان پر بہت پریشان ہوئے مگر اس نیک شخص نے صبر کیا اور کہا اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ چند دن بعد ایک بھیڑیے نے گدھے کو چیر پھاڑ ڈالا۔ پھر گھر والے بہت غمگین ہوئے لیکن اس نیک شخص نے یہی کہا۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے، پھر کچھ دنوں بعد اس کا جو کتا تھا وہ بیمار ہو کر مر گیا لیکن پھر اس شخص نے صبر کیا اور یہی کہا اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔

پھر کچھ دن بعد دشمنوں نے اس کی بستی پر حملہ کر دیا اور جانوروں کی آواز سن کر گھروں کا پتہ لگایا اور مال و اسباب سمیت سب گھر والوں کو قیدی بنا کر لے گئے۔

اس نیک شخص کے گھر میں کوئی جانور نہ تھا جو بولتا، لہٰذا دشمنوں کو اندھیرے میں اس کے مکان کا پتہ ہی نہ چلا اور اس طرح وہ آفت و مصیبت سے محفوظ رہا اور یوں صبر کے ساتھ اس کا ایمان مضبوط ہو گیا کہ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔

دوستو! ہم لوگوں کو ہر وقت صبر رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔

■

Mohd Sufyan Ghaffar Shaikh
Muslim Colony, Bhusawal (Maharashtra)

سیدہ اریبہ نایاب سید منیر الدین

اقوالِ زریں

- سب سے بڑا خطا وار وہ شخص ہے جو دوسروں کی برائیاں بیان کرتا پھرے۔
- دوسروں کا برا چاہنے والا انسان دنیا میں کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔
- وہ لقمہ سب سے زیادہ حلال اور طیب ہے جو اپنی محنت سے کما کر کھایا جائے۔
- اگر کسی انسان کے اخلاق دیکھنا ہو تو اسے غصے کی حالت میں دیکھو۔
- غم کو زندگی میں شامل نہ کرو کیونکہ وہ عارضی ہے۔
- اعتماد ایک روح کی طرح ہے جو ایک بار چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔
- عمدہ چیز حاصل کرنا اتنی بڑی خوبی نہیں جتنی بڑی خوبی اسے عمدہ طریقے سے حاصل کرنا۔

■

Sayyeda Areeba Nayab Sy .Muniruddin
Fatima Urdu Girls High School (MS)

قریشی ابوعامر حسن

مشہور عمارتیں

(1) ایفل ٹاور کس شہر کی نشاندہی کرتا ہے؟

(2) سکھر بیراج (سندھ) دنیا کے سات جدید ترین عجائبات میں سے ہے۔ صحیح یا غلط

(3) کس عمارت کو دنیا کی خوبصورت ترین عمارت کہا جاتا ہے؟

(4) مجسمہ آزادی کس ملک کے ساحل کی نشاندہی کرتی ہے؟

(5) نمبر 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ لندن کس کی رہائش گاہ ہے؟

(6) یورپ کی سب سے بلند عمارت سوہن پیلس کس شہر میں ہے؟

(7) امریکی صدر ابراہم لنکن کی یادگار کس شہر میں ہے؟

(8) لندن میں دنیا کا سب سے بڑا گھنٹہ گھر ہے۔ اس کا نام بتایئے؟

(9) تاج دار برطانیہ کی سرکاری رہائش گاہ کا نام کیا ہے؟

(10) بس ہاؤس لندن میں کس بین الاقوامی نوعیت کی عمارت ہے؟

(11) مغلیہ دور کی مشہور یادگار لال قلعہ ہندوستان کے کس شہر میں ہے؟

(12) ہندوستان کے کس شہر کو جدید عمارت کا شہر کہا جاتا ہے؟

(13) بادشاہی مسجد لاہور کس مغل بادشاہ نے تعمیر کرائی تھی؟

(14) مشہور عجائبات میں سے ایک ڈائنا کا مندر کس کی یاد میں بنایا گیا تھا؟

(15) اپولو کا دیوپیکر مجسمہ جس کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے کس طرح برباد ہوا۔

(16) مشہور عجائبات میں سے ایک اسفنکس کس ملک میں واقع ہے؟

(17) مشہور عمارت انڈیا گیٹ بھارت کے کس شہر میں ہے؟

(18) حیدرآباد شہر میں کون سی مشہور عمارت ہے؟

(19) فتح پور سیکری میں کون سی عمارت مشہور ہے؟

(20) دنیا کا سب سے بڑا ہوٹل یوکرین ہے۔ یہ بتایئے کہ یہ کتنے فٹ کا ہے؟

(21) ہٹرن جمج راکٹ کو کس عمارت میں اسمبل کیا گیا؟

(22) دنیا کی سب سے بڑی دفتری عمارت امریکہ کے کس شہر میں ہے؟

(23) چلی کے معدنی گاؤں آکن کوئکا کو کیوں اہمیت حاصل ہے؟
(24) سفارت خانے کی سب سے بڑی عمارت کس ملک میں ہے؟
(25) وہائٹ ہاؤس (امریکہ) کا سنگ بنیاد کب اور کس نے رکھا؟
(26) لکڑی کے بنے دنیا کے قدیم ترین مندر کا نام بتایئے، یہ کس ملک میں ہے؟
(27) دنیا کا سب سے بڑا قلعہ کس شہر میں ہے؟
(28) اہرام مصر کتنے رقبے پر تعمیر کیے گئے ہیں؟

جوابات

(1) پیرس، (2) صحیح، (3) تاج محل، (4) ریاستہائے متحدہ امریکہ)، (5) برطانوی وزیر اعظم کی، (6) ماسکو، 92 منزلیں، (7) واشنگٹن ڈی سی، (8) بگ بین، (9) بنگھم پیلس، (10) ریڈیو اسٹیشن ہے، (11) دہلی، (12) چنڈی گڑھ، (13) اورنگ زیب، (14) ایک دیوی کی، (15) زلزلے سے، (16) مصر، (17) دہلی، (18) چار مینار، (19) بلند دروازہ، (20) 650 فٹ، 34 منزلہ، (21) وہیکل اسمبلی بلڈنگ کیپ کینیڈی، (22) پنٹاگن، آرلنگٹن، (23) دنیا کی سب سے بلند رہائشی عمارات ہیں جو سطح سمندر سے 1750 فٹ بلند ہیں، (24) چین کے شہر بیکنگ میں، (25) جارج واشنگٹن نے 1792 میں، (26)، ہاریوبی نارا، جاپان، (27) شام کے شہر حلب میں 10 ویں صدی میں تعمیر، (28) 13 ایکڑ رقبے پر۔

■

Qureshi Abu Aamer Hasan
Dr. A.P.J Abdul Kalam Urdu High School
Udgir - 413517
Distt.: Latur (Maharashtra)

امتیاز احمد الائی

مفید معلومات

1۔ 105 سال قبل مسیح: چین کے سائلون نے کاغذ کی ایجاد کی۔
2۔ 305ء میں پہلا پرنٹنگ پریس چین نے ایجاد کیا۔
3۔ 1049ء میں چین کی ٹی شنگ نے متحرک ٹیپ ایجاد کیا۔
4۔ 1610 میں میرونائٹس لبنان Maronities نے پہلا پرنٹنگ پریس چھاپا خانہ قائم کیا۔
5۔ 1714 میں ہنری مل نے پہلا ٹائپ رائٹر ایجاد کیا۔
6۔ گوگل کے فاونڈر (بانی) ہیں۔ Lawrence Larry Page And Sergey Mikhaylovih Brin
7۔ تاریخ میں 'ابن خلدون' سائنس کا بانی ہے۔
8۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کو کہا جاتا ہے۔
9۔ دنیا کا سب سے زیادہ رقبے والا شہر چین کا Hulunbuir ہے جو 263953 مربع کلو میٹر ہے۔
10۔ چنڈی گڑھ پنجاب اور ہریانہ کا دارالخلافہ ہے۔
11۔ سب سے پہلے خطرناک زلزلہ چین میں 22 مئی 1960 میں آیا تھا۔
12۔ ہندوستان کا قومی پھل آم ہے۔
13۔ دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظیم مسز بندرانائیکے (سری لنکا) تھیں۔
14۔ دنیا میں سب سے پہلے ریلوے لائن انگلستان میں بچھائی گئی۔
15۔ ٹین چینل کھیلوں کا مقبول عام چینل ہے۔ Ten کا مطلب ہے Taj Entertainment Network

■

Imtiyaz Ahmad Alie
Research Scholar, Dept of Urdu
Punjabi University, Patiala (Punjab)

محسن رضا

ڈارون

یہ ایک ایسے سائنسداں کی زندگی کے حالات ہیں جس نے خود زندگی کے متعلق کوشش کی کہ وہ زمین پر کس طرح شروع ہوئی۔ یقیناً آپ نے بھی سنا ہوگا کہ چارلس ڈارون انسان کو بندر کی اولاد بتاتا ہے ہم اسی سائنسداں کا ذکر اس صفحہ پر کر رہے ہیں۔ چارلز رابرٹ ڈارون وہ سائنس داں ہے جس نے ارتقا کا نظریہ پیش کیا یعنی 'انتخاب طبیعی' کا عمل سمجھایا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ زمین پر زندگی کی جو مختلف قسمیں موجود ہیں وہ کس طرح پیدا ہوئیں۔ اس نے تحقیق اور تجربے سے ثابت کیا کہ پودوں اور حیوانوں کی صورت میں تبدیلیاں کم وبیش فوری طور پر ہوتی ہیں۔ اگر ماحول ان سے موافق ہوں تو وہ تبدیلیاں مستقل ہوجاتی ہیں اور اگر موافق نہ ہو تو غائب ہوجاتی ہیں۔

ڈارون 12 فروری 1809 کو شروز بزی میں پیدا ہوا۔ چارلس چھ بہن بھائیوں میں پانچواں تھا۔ مشہور برتن ساز جوشوا وا یجوڈ کا پوتا تھا۔ پہلے ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے ایڈنبرا بھیجا گیا لیکن جب معلوم ہوا کہ ڈاکٹری سیکھنے کا اہل نہیں ہے تو اس کے باپ نے اسے پادری بنانے کے لیے کیمبرج بھیج دیا۔ وہاں ڈارون کو بعض نئے دوست ملے جن کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ وہ مذہبی تعلیم چھوڑ کر سائنس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

1831 میں جب ڈارون تعلیم سے فارغ ہوا تو وہ علم الحیوانات کے ماہر کی حیثیت سے 'بیگل' جہاز کے بحری سفر پر بھیج دیا گیا۔ یہ بحری سفر کوئی پونچ تک جاری رہا اور ڈارون کو جنوبی امریکہ کے ارد گرد اور مغربی بحرالکاہل کے بہت سے جزیروں میں چکر لگانے کا موقع ملا۔ ان مختلف علاقوں میں اس نے بے شمار زندہ اور کبھی مردہ جانوروں کی باقیات دیکھیں جن سے اس نے یہی نتیجہ نکالا کہ 'انتخاب طبیعی' کا اصول صحیح ہے یعنی صرف وہی نوع باقی رہتی ہے جو دوسری انواع سے زیادہ ماحول سے مطابقت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اگرچہ ڈارون نے اس نظریے کا خاکہ پہلے ہی تیار کرلیا تھا لیکن 1859 میں اس نے اپنی مشہور کتاب 'اصل انواع' شائع کی، جس نے ہنگامہ برپا کردیا۔ اس بحث میں ٹی ایچ ہکسلے، ڈارون کے حامیوں کا اور پادری ولبر فورس مخالفوں کا گروہ تھا، ڈارون کی دوسری کتاب 'وراثت انسان'، 1871 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اس نے انسان کے آبا واجداد کا پتہ چلانے کیلئے اپنے نظریۂ ارتقاء کو استعمال کیا۔ یہ کتاب عام لوگوں تک پہنچی چنانچہ اس پر اور بھی زیادہ بحث ومباحثہ ہوا۔ اس سے تین سال پہلے اس نے ایک اور کتاب میں یہ بتایا کہ پودوں اور جانداروں میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ڈارون نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ڈارون 19 اپریل 1882 کو چل بسا اور انگلستان کے مشہور قومی قبرستان ویسٹ منسٹر ایبے میں دفن کیا گیا۔ ڈارون آخر تک محنت اور ہمت سے کام کرتا رہا۔ اس کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ ہر چیز کو غور سے دیکھتا تھا اور جو چیزیں عام انسان کے مشاہدے سے بچ جاتی ہیں انھیں ایک ہی نظر میں بھانپ لیتا تھا۔ اس نے جو شمع روشن کی تھی وہ اب تک جل رہی ہے، ہاں اس کے نظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔

■

Mohsin Raza
Kharnipura, Nagina Masjid
Yawal, Jalgaon - 424301 (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

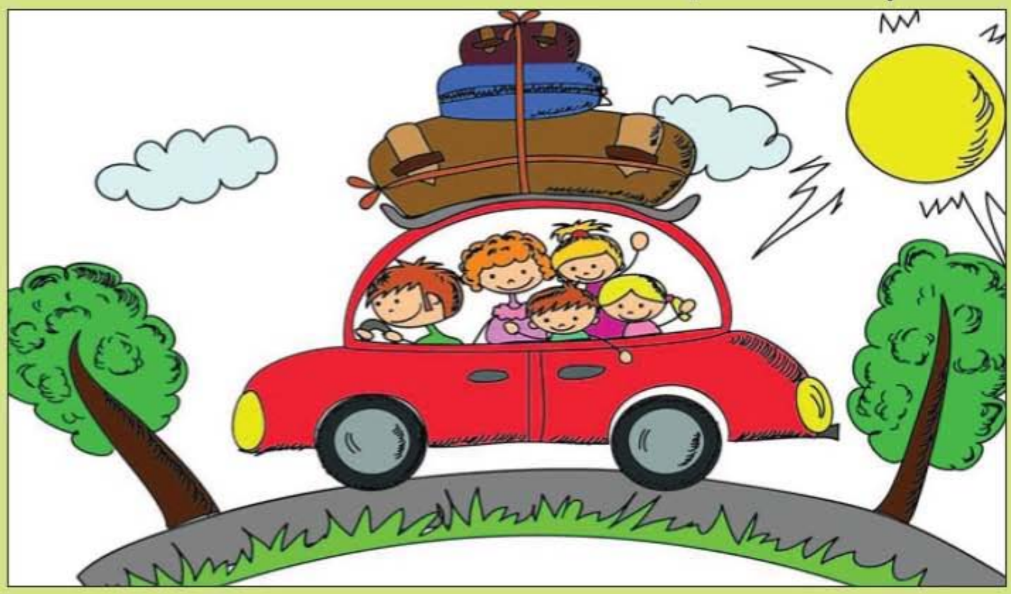

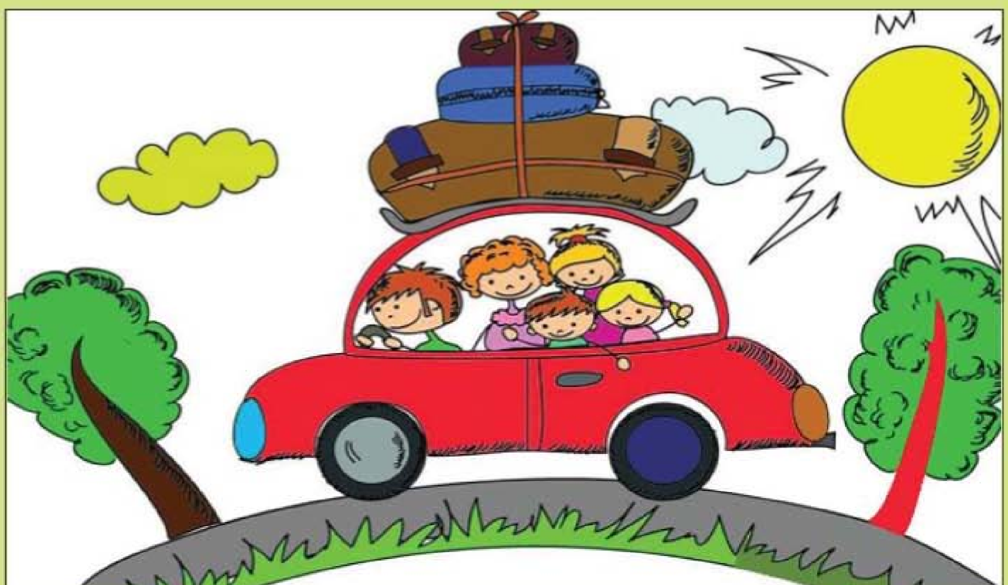

■ جوابات اگلے شمارے میں تلاش کریں

رمشا شیخ رئیس

احسان کا بدلہ

ایک گاؤں میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ بہت ہی غریب تھی۔ اس کا شوہر بیماری میں مر چکا تھا۔ اس کا ایک بیٹا اسلم تھا۔ وہ محنت مزدوری کرکے گزر بسر کرتا۔ اپنی والدہ کی خدمت بھی کرتا۔ ایک دن محنت مزدوری کرنے گیا مگر شام تک واپس نہیں لوٹا۔ بڑھیا پریشان ہوگئی کہ اسلم گھر کیوں نہیں آیا۔ بڑھیا اسے ڈھونڈنے لگی۔ ساری رات تلاش کرتی رہی۔ رو رو کر بڑھیا کا برا حال ہوگیا تھا۔ بڑھیا کا وہی اکلوتا بیٹا تھا۔ اب کوئی سہارا نہیں تھا۔ کچھ دن گزر گئے۔ ایک دن ایک آدمی اُس کے گھر آیا اور کہنے لگا، ''سنا ہے، تمہارا لڑکا کہیں کھو گیا ہے۔ آج کے اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ کوئی لڑکا خودکشی کرکے سمندر میں ڈوب کر مرگیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہی تمہارا لڑکا ہو۔ بڑھیا جوش میں آکر کہنے لگی نہیں، وہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ بڑھیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر بڑھیا افسوس کرتی ہوئی سوچنے لگی کہ میں نے ایسی کون سی تکلیف دی ہے کہ وہ سمندر میں جا کر مرگیا۔ بڑھیا کہنے لگی کہ یا اللہ اب تو ہی ہے میرا اس دنیا میں اور ہر مشکل میں میرا ساتھ دینے والا ہے۔ وہ گھر میں آتی تو اسے اپنے بیٹے اسلم کی یاد ستاتی۔ بعد میں دوسرے گاؤں جا کر رہنے لگی۔ اس کا گھر ندی کنارے تھا، وہاں ایک گھنا درخت بھی تھا۔ بڑھیا گھر گھر جا کر برتن مانجھتی اور کپڑے دھوتی تھی۔ ایک دن بڑھیا کام کرکے گھر لوٹی تو پیڑ پر کوا بیٹھا تھا اور زور زور سے چلانے لگا۔ بڑھیا نے سوچا کہ اسے بھوک لگی ہوگی۔ بڑھیا نے اسے روٹی دی پھر کوے نے روٹی کھالی۔ کوا بہت خوش ہوا تب سے روزانہ اس پیڑ پر آتا۔ بڑھیا بھی اسے پسند کرتی تھی۔ بڑھیا کام پر جاتی تو وہ کوا گھر کی نگرانی کرتا۔ بڑھیا کے پاس کام کرکے بہت سارا روپیہ جمع ہوگیا۔ اس کے پاس دو بکریاں بھی تھیں۔

اسی گاؤں میں ایک چور رہتا تھا اُسے خبر ملی کہ اس گاؤں میں ایک بڑھیا آتی ہے اور اس کے پاس بہت سارا روپیہ

ہے۔ ایک رات وہ بڑھیا کے گھر چوری کرنے گیا۔ بڑھیا کی آنکھ کھل گئی۔ بڑھیا نے یہ منظر دیکھا کہ کوے نے اس چور کو چونچ مار مار کر زخمی کر دیا۔ چور فوراً بھاگ گیا۔ بڑھیا نے کوے کا بہت شکریہ ادا کیا۔ دوسرے دن رات میں دروازے پر دستک ہوئی۔ بڑھیا نے دروازہ کھولا تو باہر دو آدمی کھڑے تھے۔ وہ مسافر تھے، بھوکے پیاسے تھے انھیں مدد کی ضرورت تھی۔ بڑھیا نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا بنایا، انھیں کھلایا اور کہا کہ آدھی رات ہوگئی ہے۔ بیٹا تم دونوں یہیں سو جاؤ۔ مسافر بہت خوش ہوئے اور بڑھیا کو خوب دعائیں دینے لگے اور کہا کہ یا اللہ اس بڑھیا کا بیٹا جہاں کہیں بھی کھو گیا ہے اسے واپس کر دے۔ صبح ہوئی تو دونوں مسافر چلے گئے۔ بڑھیا کام کرنے چلی گئی۔ جب شام کو واپس آئی تو دیکھا کہ اس کا بیٹا اسلم گھر میں بیٹھا ہوا ہے۔ بڑھیا بہت خوش ہوئی اور اپنے بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ روتے ہوئے بیٹے سے پوچھنے لگی بیٹا تو کہاں تھا کئی مہینوں سے؟

اسلم نے کہا کہ امی جان! دراصل میں کام کر کے لوٹ رہا تھا تو راستے میں ایک لڑکا چوری کر کے بھاگنے لگا۔ اس گھر کا مالک اسے پکڑنے کے لیے تلاش کر رہا تھا۔ مالک سمجھا کہ چور میں ہی ہوں۔ اس نے مجھے پکڑ لیا۔ میں رو رو کر فریاد کر رہا تھا کہ چوری کرنے والا لڑکا تیزی سے بھاگ گیا مگر اس نے ایک نہ مانی اور مجھے پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں پولس اسٹیشن میں جا کر بھی بار بار اپنی صفائی پیش کرتا رہا مگر مجھے چور سمجھ کر جیل بھیج دیا گیا اور چھ ماہ کی سزا ہوگئی۔ سزا پوری ہونے کے بعد میں اپنے گاؤں لوٹا تو پڑوس کے جمن چاچا نے کہا کہ تمھاری امی فلاں گاؤں میں رہنے لگی ہیں۔ اسے پتہ چلا تھا کہ تم نے پانی میں ڈوب کر اپنی جان دے دی ہے۔ پورے گاؤں والے مجھے دیکھ دیکھ کر حیران ہونے لگے کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں مر چکا تھا۔ جمن چاچا کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق میں آپ کے پاس آیا۔ پھر اسلم اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہنے لگا۔

■

Rimsha Shaikh Rais
Class: IXC, Angelo Urdu High School
Dhule (Maharashtra)

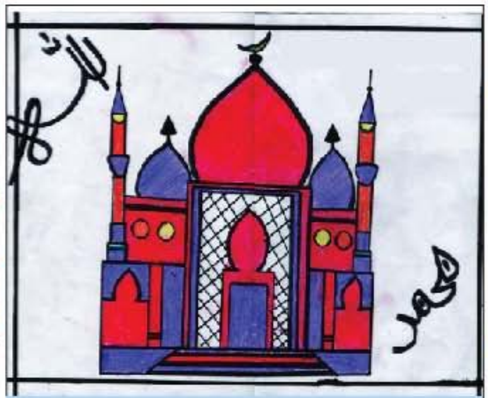

فائزہ بنت تنویر، درجہ عالمیت سال سوم، مرکز اصلاح خواتین دہلی

نعیمہ بنت منظور قریشی، درجہ عالمیت سال سوم، مرکز اصلاح خواتین دہلی

ارباز لیاقت خان، درجہ: ششم، ضلع پریشد اردو اسکول، نیم گاؤں، مہاراشٹر

عبدالباسی مقصود صدیقی، ڈاک خانہ روڈ، اعظم گڑھ، یوپی

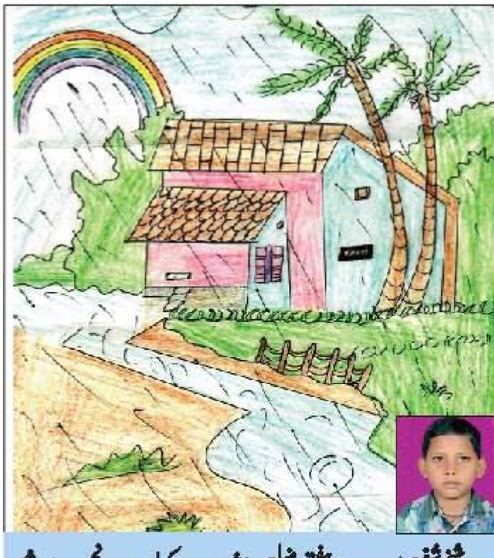

ارباز شیخ شفیع ضیار، درجہ: ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول، مولانچی، مہاراشٹر

عرشین بی شیخ عارف، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، مہاراشٹر

آمنہ خاتون، درجہ: ہفتم
راجکیہ اتکرمت مدھیہ ودیالیہ بلھری، ضلع ویشالی، بہار

عرشین بی شیخ عبدالجبار، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، مہاراشٹر

محمد سلیل ایم وی، درجہ: نہم، کے کے ایم اسلامک اکیڈمی، کیرلا

محی الدین رضوان شیخ، درجہ ہشتم اے
سوشل اردو ہائی اسکول، سولاپور، مہاراشٹر

الفیہ سید حمید، درجہ: ششم
ضلع پریشد اردو اسکول، نیم گاؤں، مہاراشٹر

ثانیہ پروین عارف خان، درجہ ششم، ضلع پریشد اردو اسکول، نیم گاؤں، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

پیارے دوستو! میں 'بچوں کی دنیا' میں پہلی دفعہ حاضر ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھا لگتا ہے۔ میں ہر ماہ یہ رسالہ منگاتی ہوں۔ مجھے اس کی کہانیاں، نظمیں بے حد پسند ہیں۔ مجھے اس کا ہر ماہ بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔

آمنہ صدیقی، درجہ ہشتم، حسن پورہ، سیوان، بہار

میرا نام نوشین اختر انصاری ہے۔ میں قادریہ اردو ہائر سکینڈری اسکول کی طالب علم ہوں۔ مجھے ہر ماہ اردو دنیا، بچوں کی دنیا اور امنگ پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے اور میں ہر ماہ اس کا بے صبری سے انتظار کرتی ہوں۔ میں نے اس ماہ کی کتاب میری میری ایک دوست کو دی۔ اسے یہ کتاب بہت پسند آئی۔ 'بچوں کی دنیا' ہم سب کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔

نوشین اختر انصاری، سبھاس چوک، برہان پور، مدھیہ پردیش

میرا نام محمد ضمام الحق ہے۔ آٹھویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھی لگتی ہے۔ 'بچوں کی دنیا' میں 'زمین کی تہہ میں' قسط وار ناول بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ 'بچوں کی دنیا' میں شعروں کا کالم بھی شروع کریں۔ 'بچوں کی دنیا' میں شائع ہونے والے سبھی مضامین دلچسپ ہیں۔

محمد ضمام الحق محمد عین الحق، سید جمال پورہ، ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

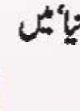

میرا نام یسرا فاطمہ، میرے ابو کا نام ظفر احمد ہے۔ میں اب جماعت سوم میں داخل ہو جاؤں گی۔ مجھے پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ میری امی جو ایک اسکول میں پڑھاتی ہیں مجھے اچھی اچھی کتابیں لا کر دیتی ہیں۔ لیکن میرا پسندیدہ رسالہ 'بچوں کی دنیا' ہے کیونکہ اس میں بڑی دلچسپ، اچھی اور سبق آموز کہانیاں ہوتی ہیں۔ اس رسالے کی زبان بھی آسان ہوتی ہے۔ اگر کوئی لفظ یا چیز سمجھ میں نہیں آتی ہے تو میں اپنی امی سے مدد لیتی ہوں۔ مجھے اردو کا فیس بک بھی بہت پسند ہے۔ اس میں ہم جیسے ننھے بچوں کا تعارف ہوتا ہے اور ہمیں ان کی زندگیوں کے بارے میں پڑھ کر تحریک ملتی ہے۔ یہ بہت اچھا صفحہ ہے، میں کہانیوں کے بعد اسے دیکھتی ہوں۔ اس میں بچوں کے فون نمبر بھی شامل کریں تو اچھا رہے گا تاکہ ہم ان سے کبھی بات کر سکیں۔ میں آپ کو یہ بات بھی بتانا چاہتی ہوں کہ ہمارے تمام چچا کے بچے ہمارے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور ہم سب مل کر باری باری کہانیاں پڑھ کر سناتے ہیں اور ہماری امی ہم سب کی تلفظ کی غلطیوں کو درست کرتی ہیں اور معنی بھی بتاتی جاتی ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ ایسے ہی بچوں کی دنیا کو مل کر پڑھنا چاہیے۔

یسرا فاطمہ، درجہ: سوم، سرسید احمد خان اردو پرائمری اسکول، بیڑ، مہاراشٹر

میرا نام سمیہ آفرین ہے۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے اور اس بار 'بچوں کی دنیا' میں بہت اچھی ڈرائنگ آئی ہیں اور اس بار میرا بھی نام شامل ہے۔ میں ہر مہینے 'بچوں کی دنیا' خرید کر پڑھتی ہوں۔ اس کی کہانیاں مجھے بہت پسند آتی ہیں۔

سمیہ آفرین محمد ذاکر، واڑے گاؤں، اکولہ، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

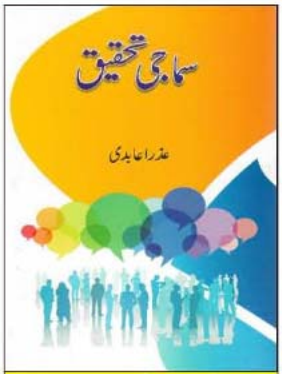

صفحات:490، قیمت:215 روپے

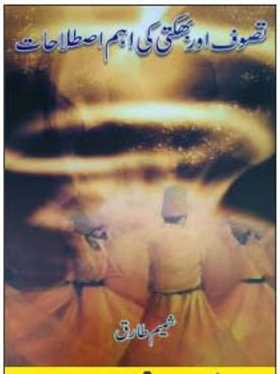

صفحات:411، قیمت:185 روپے

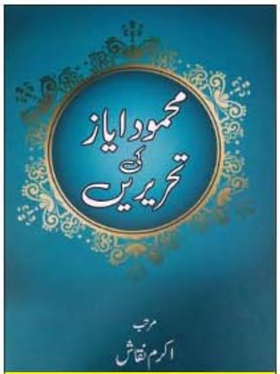

صفحات:73، قیمت:65 روپے

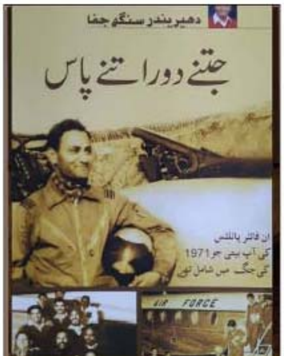

صفحات:289، قیمت:140 روپے

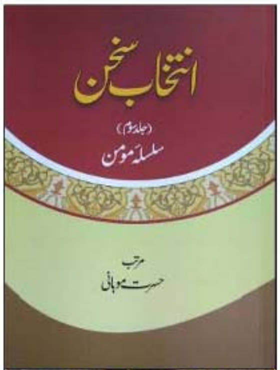

صفحات:326، قیمت:155 روپے

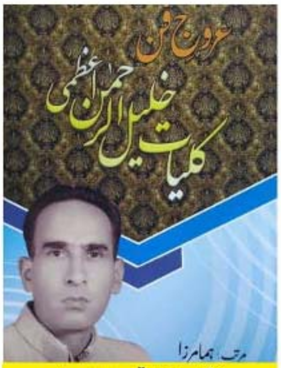

صفحات:260، قیمت:145 روپے

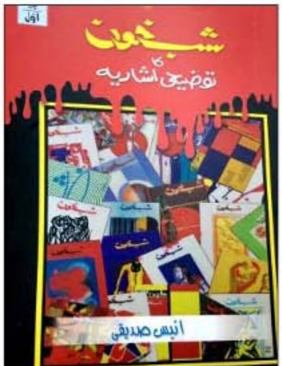

صفحات:1374، قیمت:530 روپے

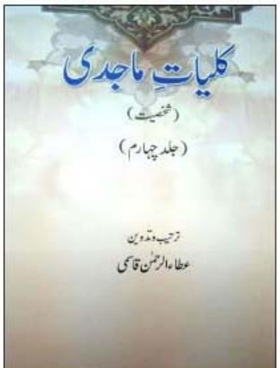

صفحات:527، قیمت:230 روپے

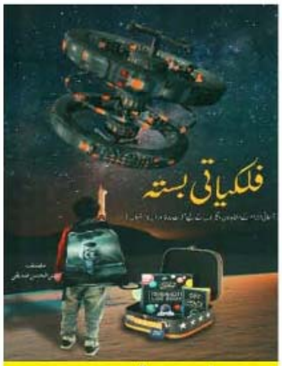

صفحات:382، قیمت:170 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 sales@ncpul.in, E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

BACHON KI DUNIYA Monthly, July 2018, Vol. 06, Issue: 07
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/18
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات:112، قیمت:25 روپے

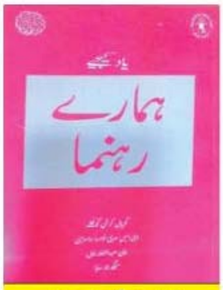

صفحات:106، قیمت:35 روپے

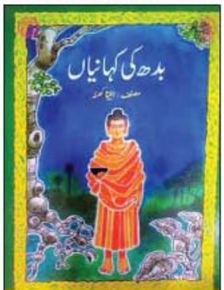

صفحات: 80، قیمت: 65 روپے

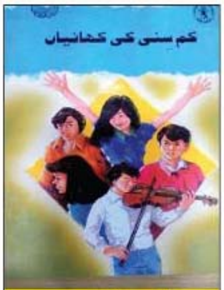

صفحات:80، قیمت:35 روپے

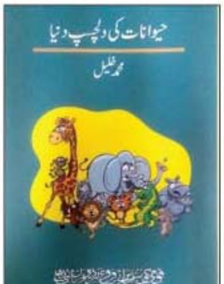

صفحات:83، قیمت:24 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

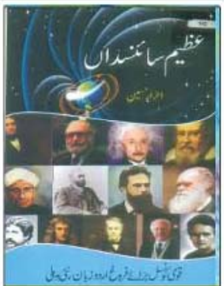

صفحات:63، قیمت:16 روپے

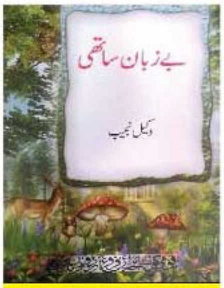

صفحات:64، قیمت:19 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.